گورنمنٹ اور انگریزوں کو دعوت اسلام آنیوالے خطرات

مصور فطرت حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب نے لکھا

فروری سنہ ۱۹۲۰ء میں

میرزا محبوب بیگ کے محبوب المطابع دہلی نے چھاپا

کارکن حلقۃ المشائخ دہلی نے شائع کیا۔ قیمت صرف ۴ر

حکم امام

یعنی بارہ مہینہ کی حفظ صحت کیلئے

طبّی پروگرام

یہ طبی پروگرام حضرت امام ہمام علی بن موسی الرضا علیہ السلام نے خلیفہ ہارون رشید عباسی کے لیے تحریر فرمایا تھا جسمیں ہر موسم کے مطابق حفظ صحت کی ہدایات ہیں اور غذاؤں کو تفصیلوار بیان فرمایا ہے ۔

جو شخص حضرت امام کے اس حکم طبی پر عمل کرے گا بہت کم بیمار ہوگا۔ اور اسکی تندرستی ہمیشہ اچھی رہیگی ۔اور بیمار ہوگا تو جلدی اچھا ہو جائیگا۔ اصول سائنس کے مطابق حضرت امامؑ نے یہ پروگرام بنایا ہے۔ قیمت بہت کم یعنی مجلد کے ۴ر غیر مجلد کے ۳؎

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گورنمنٹ اور خلافت

خلافت کا عالمگیر اثر

آج کل جبکہ سنہ ۱۳۳۸ ہجری اور سنہ ۱۹۲۰ء کا دورہ ہے تمام اسلامی دنیا میں مسئلہ خلافت کی دھوم مچی ہوئی ہے ان مختلف ممالک کے مسلمان کسی غیر مسلم بادشاہ کی رعیت ہیں وہ اپنے حاکموں سے اصرار کرتے ہیں کہ ان کے خلیفہ اور خلافت کا اقتدار و احترام ملحوظ رکھنا چاہئے خصوصاً ان حکومتوں پر زیادہ زور پڑ رہا ہے جن کا تعلق جنگ یورپ میں ترکی سلطنت سے حریف اور مد مقابل لڑنے والا رہ چکا ہے۔ اور اب ترکوں کی بیان کردہ ناکامی کے سبب وہ قدرتاً اس امر کی خواہشمند پائی جاتی ہیں کہ ترکوں سے انتقام لیا جائے اور ان کو جرمن کی شرکت جنگ کا مزہ چکھایا جائے۔

ان سلاطین میں جو جنگ یورپ میں ترکوں کے حریف تھے دو حکومتیں خصوصیت سے ایسی ہیں جن کے زیر حکم کروروں مسلمان بستے ہیں۔ ایک ان میں فرانس ہے اور دوسرا انگلستان۔ فرانس کے ماتحت مراکو۔ ٹونس۔ الجزائر وغیرہ کے ملک ہیں جہاں بے شمار مسلمان آباد ہیں۔ اور انگلستان کی حکومت

ہیں مصر و ہندوستان وغیرہ متعدد ایسے بڑے بڑے ملک ہیں جن میں کروڑہا مسلمان
بستے ہیں۔ ہندوستان میں فرانسیسی مقبوضات یا اٹلی کے عارضی اور نام کے مقبوضہ
ملک طرابلس کی نسبت ایسی معلومات کی اشاعت نہیں ہوئی جس سے ظاہر ہو سکتا
کہ وہاں کے مسلمان ترکی سلطنت اور مسئلہ خلافت کے بارہ میں کیا خیالات رکھتے ہیں
البتہ بعض خبروں کے ضمن میں کبھی کبھی ایسی اطلاعیں نظر آجاتی ہیں جن سے فرانسیسی مقبوضات اسلامی اور اٹلی کے
مقبوضہ اسلامی کے مسلمانوں کو احساس خلافت اور اقتدار خلیفہ کے بارہ میں وہی پایا جاتا ہے جو اس ملک ہندوستان کے
مسلمانوں کو ہے یعنی تونس الجزائر مراکو طرابلس وغیرہ کے مسلمان بھی ترکی خلافت کا تحفظ ہماری طرح چاہتے ہیں یا
برطانیہ کی مشکلات۔ مگر فرانس و اٹلی سے بہت زیادہ تلاطم ان ملکوں میں ہے جہاں برطانوی جھنڈا لہراتا ہے
برٹش مقبوضات کے مسلمان باشندے خلیفہ کے اقتدار اور انکی خلافت کے لئے بہت ہی زیادہ بے چین
ہو رہے ہیں۔ اضطراب و پریشانی کے اسباب بیان کرنیکا یہ موقعہ نہیں ہے
ضرورت معلوم ہوئی تو اسی رسالہ کے کسی مقام پر انکو لکھدیا جائیگا۔ اس موقع
پر تو صرف یہ لکھنا منظور ہے کہ مسئلہ خلافت کا احساس عالمگیر ہو رہا ہے اور
اسلامی دنیا کا کوئی ملک یا کوئی حصہ اس سے خالی نہیں ہے۔

مصر و سوڈان میں جو ہنگامے اور خونریزیاں ہوئیں ان کے اسباب یہ بھی بیان
کئے جاتے ہیں کہ وہاں کے باشندے آزادی چاہتے ہیں۔ مگر مدبرین انگلستان کی
بعض اہم تقریروں میں بارہا یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ جب مسئلہ ترکی کے تصفیہ میں اتحادی
صلح کانفرنس نے دیر لگائی تو مصر میں یہ ہنگامے کرائے۔ وزراء اور مدبرین انگلستان
کی تقریروں سے صاف سمجھ میں آسکتا ہے کہ مصر و سوڈان کے فساد و ہنگامے سراسر
خلافت اور خلیفہ کے اقتداری تاثرات سے ہوگئے اور بنیاد تمام ناراضیوں کی یہی
مسئلہ ہے اور وہاں اسوقت امن نہیں ہوسکتا جبتک خلیفہ اور خلافت کا مسئلہ مسلمانوں کے حسب
منشا طے نہ ہو۔ عراق و شام و فلسطین میں بھی یہی شورش کی جا رہی ہوئی ہے اور اس کی

اڑتی اڑتی خبروں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کے مسلمان باشندے بھی خلافت کے اثر سے متاثر ہیں۔

روٹر ایجنسی نے خود ہی ایک تار خبر بھیجی تھی جس میں لکھا تھا کہ حجازی اور شامی عربوں اور افغانی و ترکستانی مسلمانوں کا مجموعی اتحاد و تحفظ خلافت کے لیے صلح کانفرنس میں اپنے نمائندے بھیجنا چاہتا تھا اور ہندوستانی مسلمانوں کو بھی شریک کرنے کی تجاویز ہو رہی تھیں۔ اس خبر سے ہر شخص نے اندازہ لگا لیا تھا کہ اس وقت اسلامی دنیا کا مذہبی احساس کس رخ پر رہا ہے خصوصاً حجازی عربوں کی شرکت اتحاد نے اور فوراً ہی شاہ حجاز یعنی شریف مکہ کے اس اعلان نے کہ میں ہرگز خلافت کا مدعی نہیں ہوں اور اپنی ذات کو اس منصب کے لائق نہیں سمجھتا مسلمانوں کو یقین دلا دیا تھا کہ ساری اسلامی دنیا مسئلہ خلافت میں ہم آواز و متحد الخیال ہو گئی ہے اور حجاز کے عرب اور شریف مکہ تک جو قدرتاً ترکوں کے حریف سمجھے جاتے ہیں خلافت کے معاملہ میں ترکی سلطان کے سامنے عقیدت کا سر جھکا رہے ہیں۔

ایران و افغانستان کی حالت ایک حد تک بخوبی عیاں ہو چکی ہے کہ وہاں کے مسلمان بھی خلافت کے مسئلہ میں تمام اسلامی دنیا کے ہم خیال ہیں۔ ایرانی مذہباً شیعہ مسلمان ہیں اور شیعہ خلافت کے مسئلہ میں سنیوں سے ایک قسم کا خانگی اختلاف رکھتے ہیں تاہم انہوں نے موجودہ وقت کی سیاسی اہمیت کو ملحوظ رکھکر اور اس انجام کو سمجھ کر جو خلافت کی بربادی سے تمام مسلمانان دنیا کا ہو جائیگا علانیہ کہہ دیا ہے کہ وہ ترکوں کی خلافت کو محفوظ رکھنا ضروری سمجھتے ہیں۔

افغانستان کے مطالبات کی نسبت جو اس نے بحیثیت گورنمنٹ پیش کیے تھے اور جن میں خلافت کی اہمیت پر زور دیا گیا تھا۔ میں اس رسالہ میں کچھ لکھنا نہیں چاہتا کہ ہندوستان کی گورنمنٹ اور افغان گورنمنٹ کے معاملات ذاتی

دشمنی سے ان کا تعلق تھا اور ایک بیرونی شخص نہیں کہہ سکتا کہ اصل حقیقت کیونکر تھی تاہم اس امر میں کسی کو انکار نہیں ہے کہ تمام افغانستان و سرحد کے کل قبائل مسئلہ خلافت میں ایک زبان ہیں۔

روس اور وسط ایشیا کے مسلمانوں کی آوازیں متواتر سنائی دیتی ہیں (گو ان میں بالشویک کی صداؤں نے بھی شرکت کی ہے) کہ مسئلہ خلافت وہاں بھی گونج رہا ہے۔ چینی مسلمانوں کی نسبت بہت کم اطلاعیں آتی ہیں لیکن چین نے وسط ایشیا کی موجودہ تحریکوں میں جو دلچسپی لینی شروع کی ہے اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ بالشویک تحریک کے بانی لینن کا محافظ دستہ فوج چینی باشندوں سے مرتب کیا گیا ہے۔ تو کیا چینی مسلمان تحریک خلافت سے متاثر نہ ہوں گے جس نے تمام دنیا میں تلاطم پیدا کر رکھا ہے۔

یورپ امریکہ کے مسلمان باشندے خاصکر وہ مسلمان جو انگلستان میں مقیم ہیں خلیفہ اور خلافت کا اقتدار قائم رکھنے کے لئے تمام اسلامی دنیا کی رہنمائی کرتے ہیں خصوصاً مسٹر امیر علی اور سر آغا خان نے تو بہت زیادہ حصہ اس جدوجہد میں لیا ہے۔ بڑے بڑے انگریز جن میں انگلستان کے بعض مدبرین حکومت اور پارلیمنٹ کے ممبر تک شریک ہیں اور جن میں مسٹر ایسن سابق پرنسپل علی گڑھ کالج کا نام سب کی چوٹی پر ہے مسلمانوں سے زیادہ خلیفہ اور خلافت کی حمایت کرتے ہیں۔

ہندوستان میں یکجہتی۔ خلافت اور خلیفہ کے مسئلہ میں غالباً تمام دنیا سے زیادہ ہندوستان نے یکجہتی کا ثبوت دیا ہے۔ کیونکہ یہاں اعلیٰ حاکم سے لیکر ادنیٰ محکوم تک اس معاملہ میں متحد الخیال ہیں اور ہندوستان کی غیر مسلم اقوام نے بھی مجموعی طور پر مسلمانوں کا ساتھ دیا ہے یعنی خلافت اور خلیفہ کے مسئلہ میں وہ مسلمانوں کے ہم زبان ہو گئے ہیں۔

آجکل کی بات ہے سب کو معلوم نہیں کہ مسٹر مانٹیگو وزیر ہند اور لارڈ چیمسفورڈ وائسرائے ہندنگ شد و مد سے مسلمانوں کی تائید اتحادی صلح کانفرنس میں کر چکے ہیں اور کر رہے ہیں جو کھلا ہوا ثبوت اس کا ہے کہ ہندوستان کے اعلیٰ حکام نے اسلامی دنیا کی عالمگیر تحریک میں ہمسری قبول کرلی ہے، ہندوستان کی غیر مسلم اقوام کی شرکت اس بات سے ظاہر ہے کہ اول روز سے آجتک مہاتما گاندھی جو اسوقت تمام ہندوستان کے سب سے بڑے اور ہر دلعزیز مسلمہ لیڈر ہیں اور جن کا مذہب اسلام نہیں ہے خلافت کے مسئلہ میں مسلمانوں کی نمایندگی کر رہے ہیں۔ انھوں نے بہت عرصہ پہلے گورنمنٹ ہند کو ایک خط لکھا تھا کہ مسلمانوں کے متبرک مقامات اور خالص اسلامی ممالک کا قبضہ چھوڑ دینا چاہیے اس کے بعد سے لیکر آجتک انہوں نے مسلمانوں کا اس تحریک میں علانیہ ساتھ دیا ہے اور دہلی کے عظیم الشان جلسہ خلافت میں باوجود غیر مسلم ہونے کے انہی کو صدر بنایا گیا تھا اور اس کے بعد جب وائسرائے کی خدمت میں مسلمانوں کا ڈپوٹیشن گیا تو وہ بھی دیگر ہندو لیڈروں کی طرح اس میں شریک تھے۔

مہاتما گاندھی ہی نہیں، مسٹر مالوی، مسٹر نہرو، مسٹر تلک، مسٹر بپن چندر پال اور تمام ہندو پارسی سکھ، مرہٹہ لیڈر مسئلہ خلافت میں مسلمانوں کی پر زور تائید کر رہے ہیں۔

کانگرس کی آواز۔ انڈین نیشنل کانگریس جو تمام ہندوستانی اقوام کی مشترکہ و متحدہ انجمن ہے اور جس کی نمایندگی ہندوستان کو گورنمنٹ انگلستان بھی تسلیم کر چکی ہے، امرتسر کے تازہ جلسہ میں خلافت کی حمایت کا مسلمانوں کی طرح بالاتفاق ریزولیوشن پاس کر چکی ہے۔

مسلمانوں کے فرقے اس عالمگیر اتحاد خیال کو سرسری طور پہ بیان کرنے کے بعد اب میں مسلمانوں کے اندرونی فرقوں کی یک جہتی کو بیان کرنا چاہتا ہوں کہ خلافت کے مسئلہ میں ان کے اختلافات کی کیا حالت ہے،

مسلمانوں میں سب سے زیادہ اختلاف دو فرقوں یعنی شیعہ سنی کا پایا جاتا ہے
اور یہی دو جماعتیں ایسی ہیں جو ساری دنیا میں سب اسلامی فرقوں سے بڑی
تعداد رکھتی ہیں اور خلافت ہی ایک ایسا مسئلہ ہے جس نے شیعہ سنی کو تیرہ سو برس
پہلے باہم جدا کر دیا تھا اور خلافت کی بحث کے سبب وہ دونوں آجتک عقائد کی
جدائی میں متقابل نظر آتے ہیں، مگر ترکی خلافت کے مسئلہ میں تمام شیعہ دنیا نے سنی مسلمانوں
کا علانیہ ساتھ دیا ہے۔ بلکہ تعجب کیا جائیگا کہ شیعوں نے سنیوں کی لیڈری کی ہے
اور شیعہ ہی اول دن سے آجتک خلافت کے لئے معرکہ کی لڑائیاں لڑ رہے ہیں،
کس کو معلوم نہیں ہے کہ رائٹ آنریبل مسٹر امیر علی اور سر آغا خان شیعہ ہیں
اور انہوں نے لندن میں کیسی سر توڑ کوشش ترکی خلافت کے لئے کی ہے،
اور ہندوستان میں آنریبل راجہ صاحب محمود آباد۔ آنریبل سید رضا علی مسٹر
جناح مسٹر سید حسین مسٹر سید آصف علی شیعہ جماعت کے چشم و چراغ ہیں اور یہی
لوگ نہایت سرگرم جد و جہد کے اور ترکی خلافت کے تحفظ کے کام کرنے والے ہیں
خیر یہ تو سیاسی زندگی کے شیعہ ہیں، مذہبی مقتدا اور اکابر شیعہ مجتہدین بھی تحریک
خلافت ترکی میں سنی علماء کی پوری شرکت فرما رہے ہیں اور ہر بڑے جلسہ اور
ہر بڑے کام میں جو تحفظ خلافت کے لئے ہندوستان میں کیا گیا وہ شریک ہوئے
یا انہوں نے اس کی تائید کی۔ آخری ڈپوٹیشن میں جو ۱۹ جنوری سنہ ۱۹۲۰ء کو وائسرائے
ہندوستان کے پاس گیا شیعہ مجتہدین بھی شریک تھے،
شیعہ سنی کے بعد سنیوں کے مذہبی اکسٹریمسٹ اور ماڈریٹ فرقے ہیں یعنی علماء
پارٹی اور مشائخ پارٹی۔ علماء و مشائخ کا اختلاف ہندوستان کی سیاسی نرم
و گرم جماعتوں کی مثال سے سمجھ میں آسکتا ہے کہ اصول میں دونوں متحد ہیں لیکن
طرز عمل میں کچھ فرق ہے، علماء گرم ہیں اور مشائخ نرم خلافت کے مسئلہ میں دونوں

جماعتوں کا پورا اتحاد پایا جاتا ہے، تمام ہندوستان کے مشائخ کی مرکزی طاقت
اجمیر شریف میں ہے۔ اور وہاں کے سجادہ نشین صاحب کھلم کھلا خلافت کے
جلسہ کی صدارت کر چکے ہیں اور مسلسل اصول خلافت کی تائید فرما رہے ہیں،
اور یہی حال ہر صوبہ کے مشائخ کا ہے کہ ان میں ایک شخص بھی تحریک خلافت
کے خلاف نہیں ہے، یہاں تک کہ دو بزرگ جو کچھ عرصہ تک گورنمنٹ کی پالیسی کا
ساتھ دیا کرتے تھے اب پورے شد و مد سے قومی تحریک میں شریک ہو گئے ہیں
میری مراد جناب مولانا شاہ ولایت حسین صاحب چشتی الہ آبادی اور جناب مولانا
شاہ ابوالخیر صاحب چشتی نیازی پوری سے ہے۔ اول الذکر تو خلافت ڈپوٹیشن
میں بھی شامل ہوئے اور آخر الذکر نے سابقہ طرز عمل سے علانیہ توبہ کی اور مسلمانوں
کے موجودہ مطالبات کو حق بجانب ٹھہرایا۔

علماء کے تمام فرقے جن میں اہل حدیث اور دیوبندی اور ندوی جماعتوں کو
فوقیت حاصل ہے، اول دن سے خلافت کی تائید کر رہے ہیں۔

قادیانی فرقہ نے دبی زبان سے خلافت کی مخالفت کر کے اپنے سرغنہ کا حق خلافت
لاٹ صاحب پنجاب کے سامنے پیش کیا تھا، مگر لاٹ صاحب نے سرکاری بیان میں
صاف کہدیا کہ تمہارے اختلاف کی تمام اسلامی دنیا کے سامنے کچھ حقیقت نہیں ہے اسی
قادیانی فرقہ کی دوسری جماعت جو ملک میں مقیم قادیان جماعت سے زیادہ مضبوط اور
عملی ہے اور جس کا مرکز لاہور میں ہے اور جس کے پیشوا جناب مولوی محمد علی صاحب ایم اے
ہیں، عام مسلمانوں کی ہم خیال ہے اور اس کے آرگن اخبارات خلافت کی پرزور تائید
کر رہے ہیں یہاں تک کہ اس جماعت کے پیشوا جناب مولوی محمد علی صاحب اس ڈپوٹیشن
میں شریک ہو کر وائسرائے کی خدمت میں پیش ہوئے تھے۔ جو خلافت کے لئے ۱۹ جنوری
کو گیا تھا۔

وزیر اعظم انگلستان کی ضد ایسی حالت میں کہ مسئلہ خلافت مسلمانوں کی عام رائے
کی تقویت حاصل کر چکی ہے اور دنیا کا کوئی مسلمان اور ہندوستان کا کوئی مسلم و غیر مسلم یا انگلشمین
مسٹر لائڈ جارج وزیر اعظم کی تائید و پالیسی کو حق بجانب نہیں سمجھتا تعجب ہوتا ہے کہ وزیر اعظم اپنی ضد
پر اڑے ہوئے ہیں۔ اور ان کا یہ سلوک مسلمانوں کو اپنی عام خواہش کے خلاف محسوس ہوتا ہے
بعض حلقوں میں سوال کیا جاتا ہے کہ وزیر اعظم کی ضد آخر کس وجہ سے ہے جبکہ ان کی قوم کے
نمایاں افراد ترک مسلمانوں کے ہمنوا ہیں تو ان کو ترکی اقتدار کے خلاف کام کرنے سے
اس قدر دلچسپی کیوں ہے۔ ہمیں جو پتہ چلا ہے وہ اس سوال کا جواب ہے۔ عام دلچسپی کے
واسطے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ مسٹر لائڈ جارج کی موجودہ پالیسی چالیس برس گذشتہ
کی ایک تحریک پر قائم کی گئی ہے۔ یہ تحریک ایک خود غرض انگریز مسٹر بلنٹ نے چالیس
برس پہلے ایک کتاب لکھ کر پیدا کی تھی۔ اس کتاب کا نام فیوچرات اسلام ہے۔ جس
میں اسلام اور مسلمانوں کے آئندہ انجام پر مفصل بحث کی گئی ہے۔ اس کتاب میں
مسئلہ خلافت پر بھی بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ اور ترکی خلافت کی تردید میں چوٹی سے
ایڑی تک کا زور لگایا گیا ہے۔ ذیل میں اس کو درج کیا جاتا ہے۔ اس کو دیکھ کر
آسانی سے معلوم ہو جائیگا کہ مسٹر لائڈ جارج اور اتحادی طاقتوں کی وہ مخالفانہ
پالیسی جو صلح کانفرنس میں ترکوں کے خلاف برتی جا رہی ہے وہ تمام تر مسٹر بلنٹ
کے خیالات کا آئینہ ہے۔ مسٹر گلیڈسٹون بھی اسی پالیسی کے مقلد تھے۔ اور اب
مسٹر لائڈ جارج میں گلیڈسٹون کی مردہ روح نے حلول کیا ہے۔ اور وہ وہی
کہنا اور کرنا چاہتے ہیں جو بلنٹ نے چالیس سال پہلے کہا اور لکھا تھا۔
حضرت اکبر الہ آبادی نے تیس سال پہلے اس کتاب کا اردو ترجمہ کر دیا تھا
اس میں سے اقتباس کرکے یہ عبارت درج کی جاتی ہے۔ اور یہ ایک سرسری نظر جو
ڈالی جائے گی۔

مسٹر بلنٹ کا بیان انہی کے الفاظ میں یہ ہے

تقریباً سنہ ۱۵۱۵ء مطابق سنہ ۹۲۱ ہجری میں سلیم اول بادشاہ ترکان عثمانیہ نے شہنشاہ قسطنطنیہ نے یہ دیکھکر کہ میں اپنے زمانہ میں سب سے زیادہ پر قوت اور پر صولت بادشاہ اسلام کا ہوں اور یہ خواہش کر کے کہ اپنی حکومت کو زیادہ تر واقعی استحکام دوں یہ خیال پیدا کیا کہ خلافت کی گم شدہ عظمت و جلال کو اپنی ذات میں زندہ کروں جسکو متشرع مسلمانوں پر غازی اسلام اور پیشوا قرار پانے کے لئے کئی دعوے تھے کیونکہ وہ اسی محمد ثانی کا پوتا تھا جس نے ملک مشرق میں رومیوں کی شہنشاہی کا چراغ بالکل بجھا دیا تھا۔ اور وہ خود بھی شیعہ شاہ ایران کے مقابلہ میں ایک جنگ کو کامیابی کے ساتھ ختم کرچکا تھا سنی سلاطین میں اس وقت اوس کے صرف تین حریف تھے اول مغل سلطنت[1] دوسرے سلطان المغرب یعنی شہنشاہ مراکو۔ سوم مملوک سلطان مصر۔ دو فرمانروایان سابق الذکر کے خیال سے جو دور دراز ممالک اسلامیہ کے سلاطین تھے سلیم کو کچھ اندیشہ ناک نہیں کیا لیکن مصر کے ساتھ اس نے جنگ کی۔

سنہ ۱۵۱۶ء میں اس نے شام پر جو مصر کا ایک بیرونی صوبہ تھا حملہ کیا اور سنہ ۱۵۱۷ء میں وہ قاہرہ میں داخل ہوا۔ اور کنسائی الغوری مملوک سلطان وقت کو قید کر لیا اور علانیہ اس کا سر قلم کرا دیا اور دوسری روایت یہ ہے کہ سلطان مصر بسبب پیرانہ سالی کے گھوڑے سے گر کر زمین پر پڑا ہوا تھا

---

[1] یعنی ہند کی مغل سلطنت۔

اسی حالت میں ایک سپاہی نے اسکو قتل کرکے اوس کا سر سلطان سلیم
کے حضور میں پیش کیا۔ اسوقت متوکل ابن عمر الحاکم نے جو خاندان عباسیہ
کے اولاد میں سے تھا اور اسوقت قاہرہ میں بحیثیت خلیفہ خطابی رہتا تھا،
ایک نہایت مشتبہ حالت میں سلطان سلیم کو اپنے حقوق خلافت کے تفویض
کر دیے اور اس وقت سلیم نے خطاب ذیل اپنے آپ کو ملقب کیا۔
سلطان السلاطین وخاقان الخواقین مالک البرین والبحرین بحر اعظم و بحر روم
وحامی الحرمین خلیفہ رسول اللہ امیر المومنین وسلطان وخاقان روایت ہے
کہ اول ہی جمعہ جو اس نے اپنے نام کا خطبہ مساجد میں اسوقت سنکر اطمینان حاصل کیا جب
سنہ ۹۲۵ھ میں وہ مصر سے بجانب شمال معاودت کی اور مسجد زکاریس واقع الیپو
(حلب) میں پہنچا پس چند لفظوں میں خلافت حال کی اصلیت کی مختصر تاریخ
ہے جسکے ساتھ اب جن سے عبدالحمید ثانی و سلیم ملقب ہے۔ اب اس مدت
کثیر کے بعد اور ایسی حالت میں کہ معاصرین نے تفصیلی واقعات نہیں لکھے
اس امر کی نسبت کہ سلیم نے پیشوائی مذہبی کا جو ادعا کیا اسکا اثر اوسوقت کے
مسلمانوں پر کیا ہوا تھا بجز قیاس کے اور کوئی ذریعہ دریافت حال کا نہیں ہے
ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دوست و دشمن سب نے سلیم کو بالضرور غاصب سمجھا ہوگا کیونکہ اس
سے پہلے کسی ایسے شخص نے جو قریشی نسب نہ ہو واسطے پیغمبر کی جانشینی پیغمبر کی روحانی
یعنی مذہبی نیابت کا دعوی نہیں کیا تھا۔ بلا شبہ تاہم فقہا کا ہر زمانہ میں یہ قول
تھا کہ استحقاق خلافت کے لیے پہلے شرط قریشی نسب ہونا ہے لیکن بطرز

۱ہ میں ان تاریخوں کی کامل صحت کا ذمہ دار نہیں ہوں۔ ترکی مورخوں نے سلیم کی سال وفات کو ۹۲۶ھ
قرار دیا ہے جو ۱۵۲۰ء سے مطابق ہے۔ یہ امر بھی مشتبہ ہے کہ آیا سلیم نے بہ نسبت مقامات مقدسہ
کے خادم الحرمین سے بلند تر لقب اختیار کیا یا نہیں۔ اگرچہ اس کے آیندہ جانشین بیشک حامی الحرمین کہلائے
سلیم کی وفات سے پانچ سال بعد مکہ میں خلافت عثمانیہ تسلیم کی گئی۔ (بلنٹ)

معقول ہم یہ خیال کر سکتے ہیں کہ خاص اس کی سلطنت کی حدود کے اندر اور اسکے
باہر بھی عوام الناس نے عثمانی شہنشاہ کی اس اعلیٰ کارروائی کو منظور و پسند کر لیا
سلطان سلیم عالم اسلامیہ میں ایک بڑا شخص تھا اور اس کے جلوہ کی چمک
دمک سے تمام اہل شمال کی آنکھیں جھپک گئی تھیں مسلمانوں نے اوسکو اور
اس کے خاندان کو اسلام کی قسمت کا پھر چمکا دینے والا اور بمقابلہ عیسائیت کے
اسلام کو فتح مند کرنیوالا غازی اسلام ضرور سمجھا ہوگا اور اسی وجہ سے مقدس
لوگوں کو اپنے مذہب کی بہتری آیندہ کی امیدیں اس کی خاطر سے اس مقررہ
شرط خلافت سے تجاوز کرنا بیشک مناسب او بجا نظر آیا ہوگا ۔ ممالک سلطنت
کے ایک بڑے حصہ کی دنیاوی حکومت تو سلیم کو حاصل ہی تھی پس یہ امید
ہو سکی ہوگی کہ وہ دینی سلطنت کو بھی قائم کر لیگا ۔ علاوہ بریں سولھویں صدی
کے مسلمانوں کے کان لفظ خلافت کی صدا سے آشنا نہ رہے تھے اور
وہ اسی لقب سلطان کو جو سلیم کو حاصل تھا دنیاوی عظمت کے اعلیٰ ترین درجہ
کا لقب سمجھتے تھے ۔ خلافت کا اگر کچھ وجود تھا بھی تو پچھلے زمانہ میں بمقابلہ لقب
سلطنت کے اوسکا مفہوم کم وقعت اور کم اثر تھا اور خرابی بغداد کے بعد سے
یہ دونوں لقب خلط ملط ہو گئے تھے اور اب تک ہیں اور لوگ عموماً اس قدیمی
لقب کا استعمال نہیں کرتے پس اس جدید سلطان دمشق و قاہرہ و مدینہ کو
کچھ مشکل نہ تھا کہ خلائق کو نہ صرف اپنا استحقاق بنسبت قبضہ ممالک مقبوضہ خلیفہ
کے بلکہ نسبت لقب دینے و منصب خلافت کے بھی تسلیم کرا دے ۔ معلوم
ہوتا ہے کہ اس اتفاقی مشابہت سے بھی جو عثمان مورث سلیم اور عثمان رض خلیفہ[1]
ثالث کے ناموں میں تھی ۔ ابتداءً اسی طرح فائدہ اٹھایا گیا جیسا کہ بعد کو عوام الناس

[1] یعنی حضرت عثمان غنی رض خلیفہ رسول خدا صلعم - حسن نظامی

کے کانوں کو یہ آواز نئی نہ معلوم ہوئی اور وہ مطمئن ہو گئے، کیونکہ تمام دنیا نام ہی میں ہوتی ہے۔ لیکن علما کو اس کی زیادہ صحت ضرور تھی اور ظاہر ہے کہ خاندانِ عثمانیہ کا حق پیغمبر خدا[1] کا مذہبی جانشین ہونے کی نسبت مدت تک علما کے مذاہب مختلفہ میں بہت گرما گرمی سے زیر بحث رہا۔ غیر قریش کو جائز استحقاق خلافت نہ ہونے کے باب میں حدیث موجود تھی۔ کیونکہ محمدؐ نے خود بارہا صرف اپنی خاص قوم کو اپنی حکومت کا وارث قرار دیا تھا اور اس قاعدہ سے انحراف کرنا خاص مذاہب عرب کے علما میں سے کوئی جائز نہ رکھتا لیکن چونکہ علمائے ملت حنفیہ قائم مقام ان لوگوں کے تھے جنکو ادعائے خاندان عثمانیہ کے تسلیم کرنے سے غرض متعلق تھی لہذا انہوں نے شرعی طور پر اس دعوے کی حمایت پر کمر باندھی اور با وجود اس سخت وقت غیریت نسل کے انہوں نے اپنے لئے اور بنی عثمان کے لئے ایک مسئلہ جواز کا نکال لیا اور چونکہ کوئی دوسرا دعویدار خلافت معترض و مزاحم نہیں تھا لہذا اب تک اس مسئلہ کو علمائے سنت و جماعت نے کثرت رائے سے تسلیم کر رکھا ہے۔ عملی دقتیں برضا مندی باہمی طے کر دی گئیں اور سوائے علما کے اور سب لوگ اس اصل جھگڑے کو بھول گئے تھے لیکن ہم لوگوں کے زندگی کی یہ بات ہے کہ ایک پولیٹیکل معاملہ کی غرض سے بحث مذکورہ پھر زور شور سے ابھاری گئی تھی اسباب میں علمائے حنفیہ کی دلیلیں بہت دلچسپ ہیں اور میں نے بہت زحمت گوارا کر کے انکو تحقیق کیا ہے اور سمجھا ہے۔ لیکن قبل اس کے کہ میں ان کی تفصیل کروں بہتر ہو گا کہ ابتدائے زمانہ خلافت کی تاریخ پر ایک اجمالی نظر کروں اور ان حالات کو بیان کروں جن کا وجود تسلیم کے فعل سے جاتا رہا۔ متشرع مسلمان مصنفوں نے خلافت کی

[1] یعنی حضور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ۱۲ حسن نظامی

تاریخ کو چار زمانوں پر منقسم کیا ہے، عربی میں خلیفہ کے لغوی معنے (پیچھے چھوڑ دیے گئے) کے ہیں اور اصطلاح شرع میں اس سے پیغمبر کا جانشین اور انکی دنیاوی اور مذہبی طاقت کا وارث مقصود ہے اول زمانہ خالص دینی طرز کا زمانہ تھا اور خلیفہ یعنی قائم مقام محمد امام اور بادشاہ ہونے کے ساتھ ہی ولی خدا اور ایک خاص حد تک ملہم بالغیب[1] بھی تھا، یہ زمانہ صرف تیس سال تک رہا جس میں خلفاے اعظم زیب خلافت رہے یعنی حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ وعلیؓ مسلمان لوگ ان کا ذکر سیدنا کے لقب سے کرتے ہیں یعنی ہمارے سردار، دوسرا زمانہ چھ سو برس تک رہا سلطنت اہل عرب کا زمانہ ہے جس میں خلافت نے موروثی دنیاوی بادشاہت کا پیرایہ اختیار کر لیا، جن لوگوں نے اسکو قائم رکھا وہ نہ اولیاء اللہ تھے نہ علماے شرع اور اپنے متقدمین سے بالکل جداگانہ حالت میں تھے، ابتدا انکی معاویہ ابن امیہ سے ہو کر معتصم باللہ آخر سلطان عباسیہ پر ختم ہو گئی تیسرا زمانہ دنیاوی حکومت کے التوا کا ہے جس میں قریب تین سو سال تک خلیفہ نے حقوق بادشاہت کا نفاذ نہیں کیا بلکہ صرف ایک مذہبی اور روحانی پیشوا کی حیثیت سے رہتا تھا یا جسکو اب ہم مثل شیخ الاسلام مقیم قاہرہ کے کہہ سکتے ہیں[2]، دنیاوی حکومت اسلامیہ جس کے سلسلہ کی نسبت از روئے اصول یہ خیال کیا جاتا ہے کہ بلا انقطاع قائم رہا اور اس زمانہ میں بھی قائم ہے، اس زمانہ میں مملوک سلاطین مصر و دیگر شاہان اسلام کو مفوض تھے، آخر زمانہ خلافت عثمانیہ کا ہے، چونکہ خلافت کے متعلق زمانہ حال کی بحثوں میں اکثر ابتدائی زمانہ کی نظیریں پیش کیجاتی ہیں

[1] خلفاء رسول کے لئے ولی یا صاحب الہام ہونے کی کوئی شرط شرع اسلام میں موجود نہیں ہے گو خلفائے اربعہ کو ولی مانا جاتا ہے، یہ مسٹر ملینٹ کا سخت مغالطہ ہے حسن نظامی

[2] بالکل غلط بیان ہے شیخ الاسلام بادشاہ کا نوکر ہوتا ہے خلیفہ کا درجہ دوسری چیز ہے، حسن نظامی

لہذا مناسب ہے کہ نبیاد وجود خلافت پر اور خود اسلام کی پولٹیکل بنا پر غور کیا جائے۔ علمائے محمدی کا قول ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے جو ہجرت کی وہ کسی باغی رئیس کے مفرور ہو جانے کے طور پر نہ تھی بلکہ ایک ایسا فعل تھا جو دعویدار استحقاق حکومت کی جانب سے عمل میں آیا تھا۔ پیغمبر صاحب بذریعہ پیدائش کے شاہی یعنی فرمانروا سے خاندان قریش میں سے تھے۔ اور قبیلہ قریش برائے خود تمام قبائل حجاز سے زیادہ معزز و بلند تھا اور پیغمبرؐ کے جدا مجد خود مختار حاکم مکہ کے تھے۔ لہذا محمدؐ نے مع مہاجرین کے اپنے تئیں ایک خودمختار پولٹیکل جماعت کا سرگروہ قائم کیا۔ اور اس باب میں انہوں نے قدیم رسم عرب کی پیروی کی جہاں ہمیشہ گروہ گروہ اپنے اصلی قبیلہ سے جدا ہو کر اور اپنے فرمانروا خاندانوں میں سے کسی ایک شخص کو اپنا جدا حاکم قرار دیکر نئی قوم بنجاتی ہیں پس اسلام ابتدا ہی سے مثل مذہبی جماعت کے ایک پولٹیکل جماعت بھی ہے اور درحالیکہ محمدؐ اپنے شاگردوں اور پیرووں پر بحیثیت رسول وعظ فرماتے تھے اسیوقت بحیثیت باوشاہ اور گورنر یعنی حاکم و منتظم کے وہ انکے لئے قانون بھی مقرر کرتے تھے پیغمبر صاحب ان کے امام یعنی پیشوائے عبادت بھی تھے اور ان کے امیر اور قاضی یعنی فرمانروا اور جج اور مجسٹریٹ بھی تھے پس دنیاوی اور دینی حکومت اعلیٰ کا سلسلہ ملگیا تھا اور اسلام اپنی ابتدا ہی سے نہ صرف ایک مذہبی گروہ تھا، بلکہ اسی قدر ایک نیشن (قوم) بھی تھا محمدؐ کے زمانہ حیات میں یہ باتیں بلا اختلاف رہیں اور مشکلیں صرف انکی وفات کے بعد پیش آئیں، یہ ایک بڑا اختلافی مسئلہ ہے کہ ایسی حالت کے وقوع پر کیا انتظام محمدؐ کو منظور و مقصود تھا، ابتدائی زمانہ میں پیروانِ علیؓ نے یہ کہا کہ انہوں نے اپنے داماد کو وصی کیا ہے دوسروں کا قول ہے

کہ پیغمبر خدا نے حضرت ابو بکرؓ کو نامزد کیا تھا۔ لیکن اب قریب قریب تمام سنی
اس بات پر متفق ہیں کہ کوئی خاص شخص معین و نامزد نہیں کیا، بلکہ خلیفہ و قائم
مقام کی تجویز انتخاب پر منحصر کر دی گئی تھی، بہر کیف مسلمانوں نے اسی طریقہ انتخاب
کو پسند کیا اور تمام امور ٹھیک ٹھیک اس دستور عرب کی مطابق برتے گئے
جس پر بالخصوص شرع قرآنی بنی ہے، پس قبائل عرب میں یہ دستور ہے کہ جب
شیخ وفات پاتا ہے تو بزرگان قبیلہ اور اکابر خاندانہائے وجماعتہائے عظیمہ
کسی ایک خیمہ میں جمع اور حلقہ زن ہو کر متوفی کی قائم مقامی پر بحث شروع کرتے
ہیں، از روئے اصول کے ہو سکتا ہے کہ کوئی ایک ان میں کا بلا قید منتخب
کر لیا جائے، کیونکہ کتنا ہی بڑا قبیلہ ہو وہ سب بطور ایک بڑے خاندان کے ایک
ہی مورث اعلیٰ کی اولاد میں ہوتے ہیں۔ اور گو کوئی بیرونی شخص منصب حکومت
اعلیٰ کے لئے قبول نہیں کیا جا سکتا لیکن قبیلے کے اندر کا کوئی شخص حاکم ہو سکتا
ہے لیکن از روئے عمل کے وہ انتخاب صرف چند تن پر محدود ہوتا ہے،
سوائے خاص اور مستثنےٰ حالتوں کے خون اور نسل کا ادب اہل عرب کو اس
بات سے روکتا ہے کہ اپنے فرمانرواؤں کے خاندان کو بدل دیں، اگر متوفی نے
کوئی بالغ اور موصوف بصفات بیٹا چھوڑا ہے تو وہ بلا حجت شیخ تسلیم کر لیا
جاتا ہے اگر وہ نہ ہو تو چچا یا بھتیجا یا بنی عم منتخب ہوتا ہے۔ صرف نہایت سخت
اور نہایت خطرہ کی حالتوں میں یا اس صورت میں کہ کوئی وارث از قسم ذکور موجود[1]
نہ ہو کسی دوسرے خاندان کا شخص امیدوار حکومت ہو سکتا ہے، علاوہ بریں
کوئی ایک مستقل قانون انتخاب کا نہیں ہے، وہ مجلس کسی شخص کو کوئی حق عطا

[1] موجود ہونا یا نہ ہونا ضروری نہیں ہے کیونکہ مسلمانوں نے جائز وارثوں کی موجودگی میں بھی غیر وارث مگر لائق مقابل مسلمانوں کو اپنا حاکم منتخب کر لیا ہے۔ خود رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے۔ اسنے غیر قریش لوگوں کو لشکر کی حکومت عطا فرمائی تھی حالانکہ اس وقت قریش میں لائق اور بہادر وارث موجود تھے ۔ حسن نظامی

نہیں کر سکتی بلکہ ایک شخص پر اتفاق رائے کر سکتی ہے کیونکہ حق کا پیدا کرنا منتخب کرنے والوں کا کام نہیں ہوتا بلکہ اس شخص کا کام ہوتا ہے جو اپنے انتخاب کو قائم رکھ سکے۔ چنانچہ ووٹ دینے یعنی اظہار رائے کرنے کا کوئی معین طریق اور مقررہ انتظام نہیں ہے، بلکہ بزرگان قبیلہ اس امر کو متحقق کر کے کہ قرابتمندان شخص متوفی میں سب سے زیادہ کس کا رعب داب ہے جس کی اتباع پر عظیم تر میلان طبائع کا ہے، اس شخص کو بذریعہ ہاتھ دینے یعنی بیعت کرنے کے تسلیم کر لیتے ہیں اور اسوقت وہ ان کا شیخ ہو جاتا ہے، لیکن کبھی کبھی دو حریف سرداروں کی وجہ سے تفرقہ پڑ جاتا ہے اور قبیلہ منقسم ہو جاتا ہے، ایک گروہ ادھر جاتا ہے، ایک گروہ اُدھر۔ یہاں تک کہ یا تو ان میں سے ایک سردار دوسرے کو مان لیتا ہے یا تلوار اس اختلاف کا فیصلہ کر دیتی ہے۔

پس قبائل عرب کے طریق وراثت کی یہ سب باتیں خلفائے اولین کے انتخاب میں مل سکتی ہیں۔ جب محمد (ص) کی وفات متحقق ہو گئی تو ایک مشورہ کرنے والوں کی جماعت نے جن میں بزرگان و سرگروہان اسلام شامل تھے، یہ قرار دیکر کہ کسی خاص تحریک منجانب عوام کی ضرورت نہیں ہے، بطور خود حضرت عمر ابن الخطابؓ کے مکان میں نشست کی۔ اس جماعت کو فقہا نے اہل الحل والعقد کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے، کیونکہ انہوں نے پیچیدہ مسئلہ قائم مقامی کی گرہ کشائی کی خدمت اپنے ذمہ لی تھی، ایک نازک بحث کا فیصلہ کرنا تھا، ایک ایسی بحث جو ہزارہا تک (سوال وراثت) اندرونی جنگ کی باعث ہوئی تھی۔ رسول اللہ کے کوئی بیٹا نہ چھوٹا تھا، لیکن کئی قرابت دار قریبہ موجود تھے علاوہ بریں اسلام کی نئی قوم میں اندرونی تفرقہ پڑ جانے کا خطرہ تھا اور قریب تھا کہ آپس ہی میں ایک مذہبی جماعت ایک ملکی جماعت کے مقابلہ میں

ہتھیار اٹھا لیے۔ علی بن ابی طالبؓ داماد اور ابن عم اور ابوبکرؓ خسر رسول اللہ
یہی دو حضرات زیادہ ترپیش کیے گئے۔ حضرت علی ملکی فریق اور حضرت ابوبکر
مذہبی فریق کے سرگروہ تھے۔ اور چونکہ اتفاقاً مدینہ میں مذہبی فریق کو زور اور عروج
تھا لہذا حضرت ابوبکرؓ منتخب ہو گئے اور قوی تر فرقہ کے سرداران لیے گئے اور
رئیسوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی اور اندرونی اور ملکی جنگ صرف اس سبب
سے رک گئی کہ حضرت علی نے بھی اس انتخاب کو تسلیم کر لیا اور یہ تسلیم اُن کی
عالی فطرتی اور بہادری اور بےغرضی کا نتیجہ تھی۔ اس طریقہ انتخاب
کو علمائے سنت وجماعت نے کثرت رائے سے مستند اور مطابق منشائے
رسول اللہ کے قرار دیا ہے۔ بعد کو جو تین انتخاب عمل میں آئے وہ بھی انتخاب
اول سے کسی امر اہم میں مختلف نہ تھے صرف اس بات پر لحاظ کیا گیا ہے کہ
حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کی نسبت یہ کہہ دیا تھا کہ یہ میری جانشینی کے
لائق ترین اشخاص میں سے ہیں اور اس طور پر گویا اہل عقد کو انتخاب کی
کسی قدر ہدایت کر دی تھی۔ ہر مرتبہ بزرگان مدینہ خلیفہ کو منتخب اور نامزد کرتے
تھے اور دیگر مقامات میں وہ انتخاب تسلیم ہو کر مستحکم ہو جاتا تھا لیکن حضرت علیؓ
کے وقت میں ایک نئے اصول نے ظاہر ہونا شروع کیا جس سے نوعیت
خلافت میں تبدیلی واقع ہونے کے آثار نمایاں تھے جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں
حضرت ابوبکرؓ کو ان مذہبی خیالات نے منتخب کیا تھا جنکو اس وقت میں غلبہ تھا
حضرت ابوبکرؓ اسلام میں مقدس ترین شخص تھے اور انکی ساری حکومت ٹھیک
ٹھیک خدا کی حکومت تھی وہ قانون مذہبی کو صرف نافذ کرنے والے نہ تھے بلکہ اسکے

؎ مسٹر ملنٹ کا یہ بیان درست نہیں ہے یہ دونوں بزرگ ملکی و مذہبی اقتدار رکھتے تھے۔ حسن نظامی
ثانی بالکل غلط ہے حضرت ابوبکر اور حضرت علیؓ دونوں کی مذہبی عظمت کو یکساں مانا جاتا تھا کچھ فرق نہ تھا۔ یہ ملنٹ نے

واضع اور شارع بھی تھے وہ ہر روز مجلس میں بیٹھتے تھے اور مسائل دینی و دنیوی
کا فیصلہ کرتے تھے مسجد میں امامت کرتے تھے اور قرآن کو بیان کرتے تھے اور ہر
جمعہ کو ممبر پر بیٹھکر وعظ کہتے تھے اور انکی ذات میں وہ تمام مناصب جمع تھے جو اب
درمیان شیخ الاسلام اور مفتی اعظم اور حکام ملک کے منقسم ہیں وہ بادشاہ اور امام
اور قاضی القضاۃ مجسٹریٹ و جج اور ملکی اور مذہبی قانون کے عالم اور تمام مسائل متعلق
امور خیالی و واقعی[۱] کے مرجع تھے قصہ مختصر یہ کہ اسلام کے پوپ تھے انکے
ہر سہ جانشینان مابعد بھی ان سے کسی بات میں کم نہ تھے جس اختیار کو انہوں نے
تفویض کر دیا تھا وہ صرف ان افواج کی سپہ سالاری تھی جو اس وقت دنیا پر پھیلتی
اور قبضہ کرتی جاتی تھیں، اور ان صوبوں کی حکومت تھی جنکو ان فوجوں نے فتح
کیا تھا۔ لیکن بالآخر حضرت علی رض جب مسند خلافت پر متمکن ہوئے تو انہوں نے
ان فریق کو اپنا مخالف پایا جس نے خود ایک مرتبہ انکو خلافت کے لئے پیش کیا
تھا اور اس عرصہ میں اس فریق نے بہت زور پکڑ لیا تھا و نیز دنیاوی فتحمندیوں کے
ساتھ دنیاوی خیالات بھی مسلمانوں کے دلوں میں ہو گئے تھے اور خاص عرب کے
قومی خیالات کی جانب جنکو مذہبی سرگرمی نے اب تک دبا رکھا تھا ایک قوی میلان
خاطر شروع ہو گیا تھا اور بیشک ایسا ہونا ایک طبعی امر تھا بلکہ حقیقت میں ایسا امر
تھا جو رک نہ سکتا تھا کیونکہ بہت سی مفتوحہ قوموں نے مذہب اسلام کو قبول
کر لیا تھا اور چونکہ مسلمان لوگ اپنے فتحمندوں کے ہمسر اور مساوی
الدرجہ ہو گئے تھے، لہذا فتحمندوں کو جو کچھ فخر و ناز تھا اسکی تسکین بہ نسبت
مذہب کے زیادہ تر نسل اور پیدائش کے خیالات سے ہوتی تھی اور یہ ایسے خیالات
تھے جن میں مفتوحہ نسلوں کا کچھ حصہ[۲] نہ تھا بلکہ وہ خاص ترکہ اہل عرب کا تھا، چنانچہ

۱؎ اصولی و فروعی یا علمی و عملی۔ ۲؎ بالکل جھوٹ ہے اور مسلمانوں کی سلطنت اور روشن تاریخ پر بہتان ہے۔ انہوں نے مفتوحہ اقوام سے کبھی اعلیٰ نسل ہونے کا گھمنڈ نہیں کیا اور نہ انکو اپنی برابری سے محروم رکھا۔ حسن نظامی

مذہبی فریق کو نقصان پہونچا کر دوسرا فریق کو اہل قریش سے جو ہنوز تمام معاملات سلطنت
کے افسر تھے قوت اور مدد ملی۔ معاویہ بن ابی سفیان جو ایک خاص اور نمایاں قابلیت
کا اور لبھانے والی وضع کا آدمی تھا جسکا برتاؤ کرنا مدنی نسل عرب اپنے پولیٹیکل
مطالب نکال لینے کے لئے خوب ہی جانتے ہیں چند سالوں سے شام کا گورنر
تھا اور بہ نسبت مقدس[1] حضرت علیؓ کے وہاں اسکا میل جول بہت زیادہ تھا اور
شام اگرچہ ہنوز باعتبار نام کے تو نہیں لیکن حقیقت میں اصل حکومت گاہ گورنمنٹ
مسلمانان کا ہوگیا تھا۔ لہٰذا معاویہ نے حضرت علی کے انتخاب موقوعہ مدینہ کے
جواز کو تسلیم کرنے سے انکار کیا اور چونکہ ایک دوسرے اور مخالفانہ اہل حل و عقد
نے دمشق میں اسکی تائید کی لہٰذا اس نے تلوار ہاتھ میں لی کیونکہ عرب کا دستور
جملہ دعویداروں کو بالآخر ایسا کرنے کا حق عطا کرتا ہے۔ علمائے مذہبی بالاتفاق
معاویہ کو اس بغاوت پر الزام دیتے ہیں اور اگرچہ ہمیشہ حضرت علی کے اس کا
قائم ہونا جائز رکھتے ہیں لیکن اس کی حالت کو ہر چہار خلفاء سابق سے بالکل
علیحدہ قرار دیتے ہیں ان کے نزدیک معاویہ میں پیغمبر خدا کی پیشین گوئی پوری
ہوگئی کہ اسلام میں تیس سال تک امامت اور بعد اس کے ہمیشہ بادشاہت
رہے گی۔ بلاشبہ معاویہ تمام پچھلے بادشاہان اسلامیہ کا نمونہ تھا شرع کے
بموجب افسر ملک افسر مذہب بھی ہوتا ہے۔ لیکن معاویہ کی ذات سے مناصب
مذہبی کا نفاذ بند ہوگیا۔ بخلاف اپنے متقدمین کے اس نے یہ مناصب دوسرونکو
تفویض کردیئے اور خود نہ نماز پڑھاتا[2] تھا نہ وعظ کہتا تھا اور نہ وہ اسلام کا کوئی
عمدہ یا متبحر عالم مثل حضرت ابوبکر و دیگر خلفاء کے سمجھا جاتا تھا علاوہ بریں اور اسکی

[1] حضرت علی مقدس کیونکر بنگئے ورنہ ہم تو حافظ ابن راشد ابھی مسٹر لینٹ لکھ چکے ہیں کہ حضرت علی کا مذہبی تقدس اسلام دشمنان [illegible]
[2] معاویہ کا نماز پڑھانا ثابت ہے اور وعظ کہنا بھی البتہ سنے تاریخ اسلام نہیں پڑھی [illegible] سنائی باتیں لکھدیں۔ جن حقانی۔

اسی خاص بات پر زیادہ لحاظ کیا گیا ہے اس نے اپنی عہد حیات میں یزید
اپنے بیٹے کو اپنا جانشین نامزد کر کے خلافت میں وراثت خاندانی کا طریقہ جاری
کیا، پولیٹیکل[1] انتظام کی نظر سے تو یہ تبدیلی مفید تھی لیکن وہ باعث اختلاط مذہب
سمجھی گئی ہے، اوسوقت سے خاندان امیہ یا بعد اس کے خاندان عباسیہ کے
خلفا منتخب نہیں کئے گئے گو بظاہر منظوری علما کا قاعدہ برتا جاتا تھا اور وہ لوگ
یہ سمجھتے تھے کہ ہم کو عوام کی رائے نے نہیں بلکہ حق پیدائش نے خلیفہ بنایا ہے
خلافت عرب کے تمام ایام میں صرف ایک امیر المومنین ہمکو ایسا نظر آتا ہے
جس نے علوم مذہبی میں اپنے تئیں زیادہ مشغول کیا اور چند ایسے ملتے ہیں
کہ جنہوں نے بذات خاص مناصب مجسٹریٹی (قضا) کو نافذ کیا، تاریخ سے
معلوم ہوتا ہے کہ صرف ایک مرتبہ ایک عباسی خلیفہ نے اپنے حق امامت
یعنی نماز پڑھانے کے حق پر اصرار کیا تھا اور یہ امر غالبًا ایک اتفاقی رشک
کا اثر تھا، لیکن ازروئی قاعدہ عام اسلام کی دنیوی حکومت ایک صدر
اعظم کو اور دینی خدمت متعلق عبادت ایک نائب امام کو اور مسائل شرعیہ
کی توضیح و تعبیر ایسے علما یا مجتہدین کو جنکے مقلدین کا گروہ زیادہ ہوتا تھا،
سپرد کی گئی تھی، لیکن تاہم خلیفہ کی حالت فی الحقیقت پوپ اور مقدس ہوتی تھی
خلیفہ قریشی نسب اور ہم نسل پیغمبر ہوتا تھا، اور بقیہ سلاطین دنیا سے یہ ایک امتیاز
اسکو حاصل رہتا تھا، جوں جوں انکی پولیٹیکل حالت گھٹی وہ حقیقت میں دوسری
ایسے ہم دستوں کے ہاتھوں میں پڑتی گئی، کہ جنہوں نے ان کو صرف اپنی
اولوالعزمیوں کی اغراض متعلقہ کی وجہ سے اپنے ہاتھ کا ایک آلہ بنا لیا لیکن
باوجود اس کے منصب خلافت معزز رہا اور نہ کبھی صلاح الدین کردی نے

[1] پولیٹیکل انتظام کی کون سی بات مفید اس میں تھی بلکہ مسلمانوں میں اختلاف ڈالنا چاہتے ہیں۔ حسن نظامی

طغرل نے نہ ملک شاہ نے نہ کسی سلجوقی امیر یا امراء نے اپنی ذات کے لئے لقب
خلافت کی جرات کی، خاندان امیہ نے جس کو امیر معاویہ نے قائم کیا تھا دمشق میں
پچاسی سال تک سلطنت کی بعدہ سنہ ١٣٢ھ میں نسل قریش کی ایک دوسری
فرع یعنی بنی عباس نے تلوار ہاتھ میں لی اور بجائے خاندان امیہ کے متمکن ہو کر
اسلام کی دارالحکومت کو بغداد میں منتقل کر دیا اور وہاں دنیاوی سلطنت
کو پانچ سو سال تک قائم رکھا، اگرچہ اس دوسرے دور خلافت میں اسلام
اپنے اعظم ترین جاہ و جلال پر پہونچا اور بلند ترین دنیاوی کامیابیاں اوسکو
حاصل ہوئیں لیکن بلحاظ دین مذہب کے وہ دور بہ نسبت اپنے ماقبل تیس
سال کے کم مکمل رہا، قطع نظر اختلاف اہل ایران واہل عرب کے خود متشرع
جماعت بھی مختلف الرائے ہو گئی، اور خلفا نے حریف یکدیگر نے خود مختاری
کے ساتھ مصر اور اسپین میں اپنے تئیں قائم کر لیا، علاوہ اس کے پچھلی دو
صدیوں میں خلفا کے دنیاوی اختیارات عملی طور پر حقیقت میں ترکان سلجوقیہ
کو مفوض رہے جو دیوان بادشاہی میں ارکان سلطنت کا کام کرتے تھے،
اور ان کی مذہبی قوت اور اختیارات کی تائید میں بھی علم یا تقوی کی نمود
نہ تھی، ہلاکو نے جو سرگروہ تھا مغلوں کا اس دور کو خاتمہ پر پہنچا دیا اور سنہ ٦٥٦ھ
میں بغداد کو تاراج و برباد کیا، تاریخ خلافت کے تیسرے دور میں تمام
دنیاوی قوتیں خلفا سے چھن گئیں، زوال سلطنت عرب کے بعد اسلام
نے بہت سے جداگانہ عملداریوں کی صورت پکڑی اور ہر عملداری پر
خاص اسکا شیخ یا سلطان فرمانروائی کرتا تھا اور اپنی سلطنت کی حدود
کے اندر دنیاوی بادشاہی کے ساتھ پیشوائے مذہب بھی ہوتا تھا مغلوں

۱؎ ایک لقب ہے۔

نے بلکہ کا مذہب قبول کرکے ملک شرق میں ایک اسلامی سلطنت قائم
کی اور ترکان سلجوقیہ۔ ترکان عثمانیہ بعد کو جن کی جگہ قائم ہوئے ایشیائے
کوچک میں فرمانروائی کرنے لگے۔ ممالک باربری نے اپنے فرمانرواؤں کو
علیحدہ قائم کرلیا تھا۔ اور مصر پر اس عجیب خاندان کے لوگ یعنی مملوک سلاطین
حکمراں تھے، کوئی ایک صدر دینی حکومت اسلامیہ کا کہیں دکھائی نہ دیتا
تھا اور خلیفہ کا نام اس حیثیت سے کہ وہ ایک حاکم فرمانروا ہو، دنیا سے
اُٹھ گیا تھا۔ صرف قاہرہ میں جہاں پس ماندگان خاندان عباسیہ نے قتل
تباہی بغداد کے بعد پناہ لی تھی، برائے نام ایک دبی دبائی حالت میں
پیغمبر کی جانشینی کا سلسلہ قائم رکھا گیا تھا۔ ان خطابی خلفا کی جو مملوک سلطنت
مصر کے تحت میں تھے ٹھیک ٹھیک حالت کا تحقیق کرنا مشکل ہے، یہ بات
تو مسلم ہے کہ دنیا عموماً اون سے بے خبر تھی اور کسی وقت تو حقیقت میں
یہ امر مشتبہ نظر آتا ہے کہ جو سلسلہ جانشینی ان کے ذریعہ سے قائم رکھا گیا
تھا وہ بالکل صحیح و مستند تھا یا نہیں، عیسائی مورخین مصر نے اون کا
کچھ ذکر نہیں کیا اور سرجان منڈول و دیگر مصنفوں کی تحریر سے صاف
ظاہر ہے کہ لوگ خود سلطان مصر کو سردار مذہب اسلام کہا کرتے تھے میں
نے سنا ہے کہ ان لوگوں کی حالت موجودہ شیوخ اسلام قسطنطنیہ کے حالت
سے مشابہ تھی یعنی سلطان کی طرف سے وہ مقرر ہوتے تھے اور سلطان انکو
مسلمانوں کے ساتھ اتحاد قائم رکھنے کے لئے کام میں لاتا تھا اور میں یقین کرتا
ہوں کہ فی الواقع یہی انکی ٹھیک حالت[1] تھی۔ لیکن مصنفان ملت حنفیہ نے انکو

[1] پولٹیکل حالت نے انکو مغلوب کر دیا تھا یہی نکتہ تو موجودہ مباحث خلافت میں زیر بحث ہے کہ خلافت
کے لئے ملکی اقتدار لازمی ہے ۔ حسن نظامی۔

ایک طور پر مثل سلاطین یعنی حکام آزاد کے قرار دیا ہے اور ان کی یہ حجت ہے کہ پیغمبر کی جانشینی کبھی منقطع نہیں ہوئی اور نہ کبھی اسلام بغیر ایک مسلم و مستند دنیاوی حاکم کے رہا ہے، بادشاہان مصر یا ہندوستان یا (سلیم کے وقت تک) ترک نے کبھی لقب خلافت کا دعوی نہیں کیا بلکہ خاندان شریف مکہ نے بھی کبھی ایسا نہیں کیا حالانکہ بسبب قریشی ہونے کے صرف انہیں کے لئے ایسا دعوی جائز ہو سکتا تھا، تیمور لنگ یا اور کسی مغل مسلمان نے بھی جنہوں نے بغداد میں بادشاہت کی کبھی یہ ادعا نہیں کیا پس ضرور ہے کہ اس قدیم اور گذشتہ عظمت و جلال کے مدعی کا حال مسلمانوں نے دلچسپی اور حیرت کے ساتھ سنا ہو، دلچسپ اس بسلئے کہ خلافت کے نام کے ساتھ بہت کچھ شان و دبدبہ اسلام کی یاد میں شامل تھا، اور حیرت خیز اس لئے کہ اسکا دعویدار بوجہ اپنی نسل کے ناقابل دعوی معلوم ہوتا تھا لیکن حنفی علمانے جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں، سلیم بلکہ اس کے جانشینوں کی حمایت میں قلم اٹھایا، اور قریب قریب تمام اہل سنت وجماعت پر اس بات کو ثابت کر دیئے ہیں کامیاب ہوئے کہ جو لقب سلاطین خاندان عثمانیہ نے اختیار کیا ہے اسکی نسبت انکا استحقاق صحیح اور جائز ہے، انہوں نے یہ کہا کہ خاندان عثمانیہ کی مذہبی اور دنیوی حکومت اولاً تلوار کے حق کے ذریعہ سے ہے یعنی منصب سلطنت پر وہ فی الواقع قابض ہیں، یہ دلیل پیش کی گئی کہ خلافت ایک ضروری چیز ہے اور اسکو تمام متشرع مسلمان مانتے ہیں) اور یہ بھی ضروری ہے کہ جو شخص اس منصب پر فی الواقع قابض ہو وہ اسوقت تک خلیفہ جائز تسلیم کر لیا جاوے کہ کوئی دوسرا دعویدار حق مرجح کے ساتھ ظہور کرے پس دعویدار کے لئے پہلے یہ شرط ہے کہ دعوے کرے اور دوسری یہ شرط ہے کہ ایک فریق اس کی حمایت کرے

سلیم نے دونوں شرطیں پوری کیں اس نے دعوی بھی کیا اور بہ سرداری ایک
فوج کے اپنے دعوی کو قائم بھی رکھا اس نے دنیا میں پکار دیا کہ اگر کوئی حریف
ہو سامنے آوے لیکن کوئی مرد میدان نہ تھا پھر کیونکر ایسا حریف نہ ہوا جسکو علماے
ملت حنفیہ تسلیم کر لیتے کیونکہ سلاطین مصر کو کبھی تسلیم نہیں کیا گیا اور خاندان
عباسیہ کا اخیر جانشین اپنے حق سے دست بردار ہو گیا تھا، اس مسئلہ کی تائید
میں کہ تلوار سے حق پیدا ہو سکتا ہے انہوں نے معاویہ اور ابوالعباس کی نظیریں
پیش کیں، معاویہ نے بمقابلہ خاندان علی کے اپنا حق قائم کر لیا تھا اور اسی طرح
ابوالعباس نے بمقابلہ خاندان معاویہ کے دوم انتخاب یعنی بزرگوں کی ایک شرعی
جماعت کی جانب سے منظوری، یہ بحث پیش کی گئی کہ جس طرح اہل حل وعقد کی
مجلس مدینہ سے دمشق کو منتقل ہوئی بعدہ دمشق سے بغداد کو منتقل ہوئی پھر بغداد سے قاہرہ کو اسی طرح ایک
مرتبہ اور بطور جائز قاہرہ سے قسطنطنیہ کو منتقل ہوئی سلیم چند علماے مسجد ازہر کو قاہرہ سے اپنے ساتھ ایا
صوفیہ کو لایا تھا اور انہوں نے باتفاق علماے ترک سلیم کو منتخب کیا یا آنکے اسکے
انتخاب کو منظور کیا، ایک ظاہری صورت انتخاب کی بطور علامت حق مذکورہ
کے ابتک قسطنطنیہ میں برتی جاتی ہے اور خاندان عثمانیہ کا ہر نیا سلطان جب
دنیاوی سلطنت ترکی کا جانشین ہوتا ہے تو خلیفہ تسلیم ہونے تک اسکو ٹھہرنا
پڑتا ہے، یہاں تک کہ علما کے ہاتھ سے اوسکو منصب خلافت کی تلوار ملتی ہے
یہ رسم حسب دستور مسجد ایوب میں ادا کیجاتی ہے. سوم نامزد ہونا، میں ذکر کر چکا
ہوں کہ متوکل نے جو نسل عباسیہ سے تہا اور خود ایک خطابی خلیفہ تھا اپنے خاندان
کے تمام حقوق متعلقہ خلافت سلطان سلیم کو تفویض کر دیئے، یہ ایک تاریخی واقعہ
ہے لیکن اس بحث میں صرف یہ غلطی معلوم ہوتی ہے کہ متوکل کو کچھ حق نہ تھا کہ
اس منصب کو جو اسکو صرف بوجہ خون ونسل کے حاصل تھا ایک بیگانہ کے ہاتھ

منتقل کردیتا[1]، یہ بات بالکل قریب قریب اس کے تھی کہ گویا شاہ جرمن لندن
پر قبضہ کرکے ڈان کارلاس سے تخت اسپین اپنے حق میں تفویض
کرالے۔ یا اگر نپولین ۱۸۱۳ء میں پائس ہفتم سے منصب پوپ کو اپنے حق میں
تفویض کرالیتا، لیکن تاہم علمائے حنفیہ اس تفویض پر بڑا اصرار واستدلال کرتے
ہیں اور انکی رائے میں بہ نسبت دلائل مسبوق الذکر کے یہ زیادہ مضبوط ہے۔ اور
اس سے زیادہ تر ایک دائمی حق خاندانی پیدا ہو گیا، نامزد کرنے کی نسبت وہ
حضرت ابوبکر کی نظیر پیش کرتے ہیں کہ انہوں نے قریب رحلت منصب خلافت
حضرت عمر کے جانشین ہونے کی خواہش ظاہر کی تھی، چہارم (ان دو معابد یا
زیارت گاہوں کی تولیت) یعنے مکہ و بیت المقدس لیکن بالخصوص مکہ بعض علماء کا
یہ قول تھا اور اس عہد میں بلاشک یہ عام رائے ہے کہ حجاز کا رقبہ برائے
خود استحقاق خلافت کے لئے کافی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ فی الواقع
زمانہ ابتدائے اسلام میں بھی خیال تھا اور بہت سی خونخوار لڑائیاں بیت اللہ کے
حامی بننے کا حق حاصل کرنے کے لئے وقوع میں آئیں لیکن خلفا کی سلطنت
کیساتھ حجاز کے تعلق کو اس قدر شکست رہا کی ہے کہ یہ دلیل کچھ بہت نہیں چل
سکتی، دسویں صدی میں حجاز کرماسیوں کے قبضہ میں رہا جو ایک معتزلہ فرقہ تھا۔
تیرہویں صدی میں آئمہ صنعان اسپر قابض رہے اور صدی حال میں سات سال
تک وہاں وہابیوں کی عملداری رہی۔ تاہم واقعی حکومت حرمین پر سلیم کا استدلال
رہا اور یہی دلیل زمانہ حال کی بحث متعلقہ حق خلافت میں سلیم کے جانشینوں
کی جانب سے پھر پیش ہوئی۔ پنجم (امانت یعنی تبرکات پر قابض ہونا)

---

[1] اگر بقول مسٹر ملبنٹ قریش کو خلافت ورثہ میں ملی تھی تو عباسی شہزادہ کو اپنا ورثہ خواہ وہ کسی حیثیت کا ہو کیوں
نہ لینے کا منصب کیوں نہ تھا مسٹر ملبنٹ بھول جاتے ہیں کہ ابھی انہوں نے اس کے خلاف لکھا تھا۔ حسن نظامی

یہ پچھلی دلیل بہ نسبت عقلا و علما کے زیادہ تر عوام الناس کو سنانیکے لئے پیش کی گئی ہے لیکن تاہم اس کا ذکر اس مقام پر فروگذاشت نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ اس زمانہ کے ناواقف مسلمانوں پر اس کا بڑا اثر پڑتا ہے، یہ بات کہی گئی تھی، اور اب تک صدق اور ادب کے ساتھ اسپر یقین رکھا گیا ہے کہ ۱۲۵۸ء میں جب بغداد غارت کیا گیا تو بعض تبرکات رسول اللہ (صلعم) محفوظ رکھے گئے۔

اور وہ قاہرہ میں لائے گئے اور پھر سلیم ان کو قسطنطنیہ میں لایا۔ ان تبرکات کی نسبت کہا جاتا ہے کہ منصب خلافت کے لئے وہ ایک سلطانی سند ہیں اور ان کا قبضہ خلافت کا استحقاق بخشتا ہے یہ تبرکات پیغمبرؐ کی ایک عبا جسکو غازیان اسلام بطور علم کے مستعمل کرتے تھے اور چند بال پیغمبر کی ریش مبارک کے اور حضرت عمر کی تلوار پر مشتمل ہیں عوام الناس کا یہ عقیدہ ہے کہ اب تک یہ تبرکات مسجد ایوب میں محفوظ ہیں اور اگرچہ علما کو اب انکی صحت پر اصرار نہیں[1] رہا لیکن تاہم سلطان کے حق کی تائید مزید میں اکثر ان تبرکات کا بھی ذکر کیا جاتا ہے، یہی دلیلیں تھیں جن کی بنا پر علماء حنفی نے سلیم کے دعوے کی حمایت کی اور یہی دلیلیں قائم مقامان خاندان عثمانیہ کے متعلق ہیں معلوم ہوتا ہے کہ تمام دنیا نے اس کو مان لیا ہے زیادہ تر اس وجہ سے کہ سلاطین ترک توجہ نہ دوسروں کی اغراض کو مد نظر رکھتے ہیں، اسی بات کو کافی سمجھکر خاموش ہو رہے کہ انکی خاص رعایا نے ایک ظاہری پیرایہ میں انکو خلیفہ مان لیا، اور انہوں نے اپنے خود مختار ہمسایوں کے مقابلہ میں اس بحث کا فیصلہ نہیں چاہا۔ خاندان مغلیہ کے شہنشاہان دہلی سے دینی یا دنیوی افسری سلاطین عثمانیہ

---

[1] نوٹ — عالم نے کہا ہے جو اقرار ابتدا بعض کہا جاتا ہے یا اصرار کا ثبوت مہیا کرنے کی ضرورت پیش آنے ... انکو قائم کرنے کی تکمیل عملی ہے۔ حسن لطف علی

کی تسلیم کرانے کا قصد کیا گیا، نہ فرمانروایان مورا کو نے، اور نہ سلاطین عثمانیہ
نے اس قدیم لقب کو روزمرہ استعمال کرنے کا ارادہ کیا، جو انہوں نے
اختیار کیا تھا، ہندوستان میں مسلمان لوگ سلاطین خاندان عثمانیہ کو
ہنوز بادشاہ یا سلطان روم اور ایک نہایت قوی بادشاہ اسلامیہ سمجھتے تھے
لیکن کسی خاص طور پر انکو اپنا مذہبی افسر[1] نہ جانتے تھے اور یقیناً انکو اپنا سلطان
نہ سمجھتے تھے. علمائے مذہب حنفیہ نے البتہ بلاشبہ ان لوگوں کو خلیفہ جائز
تسلیم کیا، لیکن اکثر شافعی علمانے اسی بنا پر انکار کیا کہ چونکہ وہ غیر قریش ہیں لہذا
انکا دعویٰ ناجائز ہے، اور عوام الناس اور جاہل لوگ جو ان کی عملداری سے باہر
رہتے تھے وہ تو ان کے اس مذہبی لقب اور استحقاق سے قریب بالکل
ناواقف رہے، بیشک اس بات کا الزام خود سلاطین عثمانیہ پر ہے. کیونکہ
فرائض متعلقہ منصب جدید کا بجالانا انہوں نے قریباً بالکل چھوڑ رکھا تھا،
یہ بات جہانتک بار بار کہی جائے بجا ہے کہ خاندان عثمانیہ نے خلافت کا لقب
ایک غرض کے حاصل کرنے کو اختیار کیا تھا یعنی یہ کہ ایک مستند بنیاد پر اپنی
دنیاوی قوتوں کو قائم و مستحکم کریں اور جب ایک دفعہ اونکی یہ غرض حاصل
ہوگئی تو پھر سوائے دنیاوی شان و جلال سلطانی کے اور کوئی امر انکو مد نظر نہ رہا
پس انہوں نے اختیارات متعلقہ خلافت کو کبھی نافذ نہیں کیا. یعنی اپنی عملداری
کے باہر سرزمینوں میں نائب امام مقرر نہیں کئے نہ خاص اپنی عملداری میں معاملات
متعلقہ مسائل شرعیہ میں کچھ دخل دیا، بجز اس صورت کے کہ ان مسائل سے
انکی حکمرانی میں کچھ ضرر پہنچتا تھا. قسطنطنیہ کے علمائے دینیات سے جب بحث

---

[1] ہندوستان کے ٹیپو سلطان کی خدمت میں خود انگریزوں نے ترکی سلطان کی بحیثیت خلیفہ سفارش کی
تھی اور اس سے فائدہ اٹھایا تھا کیا یہ اثر خلافت کا استعمال نہ تھا جو ہندوستان پر ہوا. مستفسر میلہ حسن نظامی

خلافت کا ایک مرتبہ پورا پورا تصفیہ کر دیا اور یہ فتوی دیدیا کہ خاندان عثمانیہ نے ہمیشہ کے لیے یعنی نسلاً بعد نسل حق خلافت کو حاصل کر لیا تب بادشاہ نے ان سے کہدیا کہ اب اصول شرعیہ میں مشغولی نہ رکھو اور اپنے مذہب میں اجتہاد ہمیشہ کے لئے موقوف تصور کرو۔ سلیمان اعظم وارث سلیم نے بالخصوص اس بات پر اصرار کیا۔ سلیمان اسی زمانہ میں ایک سلسلہ احکام کا اپنی سلطنت کے ملکی انتظام کی نسبت جاری کر چکا تھا، اور اسکو ناقابل فسخ و ترمیم قرار دیچکا تھا پس اس نے خیال کیا کہ مسائل مسلمہ شرعیہ کا بھی ناقابل فسخ و ترمیم ہو جانا اس کی حکومت کے امن و استحکام کا زیادہ تر باعث ہوگا۔ چنانچہ اس باب میں بہی علمائے حنفیہ نے اس کی خواہش کو منظور کر لیا اور کچھ مزاحمت نہ کی علمائے ترک شروع شروع گیارہویں صدی میں جب مذاہب عرب میں نمودار ہوے اور بسبب ناواقفیت اس مقدس زبان کے انہوں نے اپنے تئیں وقت میں پایا اور چونکہ انکی نظم و ترکیب ہی کا یہ اثر تہا کہ وہ ذہنی اور باطنی محنت کے برخلاف تھے، لہذا اوسیوقت سے انہوں نے اس مسئلہ کو قائم رکہا کہ قولے باطنی کو ساکن رکہنا سچی صورت اور علامت متشرع ہونے کی ہے اور اپنے فتووں میں مجتہد اسناد پر حوالہ دیلکے اور اصلی اور ابتدائی دلیلوں کو یک قلم نامنظور کرتے رہے لہذا انہوں نے سلطان کے خیالات کی فوراً تائید کر دی۔ ابتدائی اصول سے استدلال کرنے کی باضابطہ ممانعت کر دی گئی اور شرع موجودہ کی تعبیر کے دو عہدہ موضوع ہوئے ایک مسلمہ اصول شرعیہ کے اظہار کے لئے اور دوسرا عملی فیصلوں کے لئے یعنی شیخ الاسلام و مفتی اعظم، سلاطین عثمانیہ کی جانب سے اس طور پر مسائل کی تحقیق کا انسداد اور اعلی حکومت مذہبی کا قائم ہونا واقعہ سرنیتی حرب سے یا مفورس کے تاتاری ہوامیں منتقل ہونا سریع اور فوری باعث

اس مذہبی بے حسی اور افسردگی کا تھا جس سے یوں نمایاں طور پر سترہویں اور
اٹھارہویں صدی میں اسلام نے نقصان اٹھایا[1] اب ہم نے تاریخ خلافت کو
اس زمانہ تک پہونچایا ہے جس کی نسبت باب گذشتہ میں کہا گیا ہے کہ وہ اسلام
کے لئے جہاں تک معقولات اور قوای باطنی کو تعلق ہے افسردگی اور بے حسی کا زمانہ
تھا حقیقت میں یہ ایسی سستی کی نیند تھی جس میں بیداری کے کچھ آثار نہ تھے اور
معاصرین کو جن میں والٹیر[2] بھی شامل ہے موت سے نہایت قریب معلوم ہوئے
باوجود اس کے کہ سلیمان نے اپنے نزدیک ایک ابدی انتظام کر دیا تھا خاندان
عثمانیہ کی دنیاوی طاقت میں نہایت مصیبت ناک انحطاط آگیا، اور سلاطین
ترک کی مذہبی عظمت اور افسری مسلمانوں کے ساتھ رخصت ہوگئی، گذشتہ صدی
کے وسط میں لقب خلافت کو خود انہیں کی حدود سلطنت کے اندر لوگ بھول
بھال گئے اور قسطنطنیہ کا دربار بدی اور بدینی میں ضرب المثل ہوگیا[3] پس یہ
بات بخوبی تصور میں آسکتی ہے کہ مذہبی طبائع کے ابھارنے جو حسب مذکورہ
بالا وہابیوں کے اٹھ کھڑے ہونے سے وقوع میں آیا تھا سلطان کے دعوے
خلافت کو بالخصوص ایک دھمکی دی۔ صدی حال کے شروع ہونے کے قریب
قریب متین حصہ دنیائے اسلامیہ کا ایک تبدیلی کے لئے پختہ ہوتا
جاتا تھا، اور معلوم ہوتا تھا کہ تمغائے خلافت کسی نئے دعویدار کے لئے موجود
ہے جو اپنے تئیں اسکے پہننے کا مستحق ثابت کرے، دو شخصوں نے تو اسوقت
فی الواقع اس کے حاصل کرنے کا حوصلہ کیا تھا اور وہ دونوں شخص اعلیٰ درجہ کے

---

[1] شرع کے استحکام کیلئے اور اسکی عملی برتری قائم رکھنے کو جو کام ترکوں نے کیا ہیں پر بلنٹ صاحب کس دلیل سے یہ الزام لگاتے ہیں کہ اسلام نے اس سے نقصان اٹھایا حسن نظامی

[2] فرانس کا ایک حکیم

[3] کسی ایک فریق کے ذاتی اعمال کے سبب مسئلہ خلافت کی گمشدگی کا نتیجہ نکالنا بلنٹ جیسے خود غرض آدمی کا کام ہو سکتا ہے حسن نظامی

ہوشیار تھے اور وسائل کامیابی کے اجزا اون کے ہاتھ میں تھے اور اس میں
کچھ شک نہیں کہ اگر ایک ایسی سلطنت جس کی قوت ان دونوں سے زیادہ
تھی اور جس نے اسوقت بہ مرتبہ اول ایشیا میں اپنی طاقت کے اعلی درجہ کو
جتلانا شروع کیا تھا اون شخصوں کی مخالف و مزاحم نہو جاتی تو ان میں کا ایک ایک
اپنا حوصلہ پورا کرلیتا، وہ سلطنت انگلینڈ کی سلطنت تھی اور جن حوصلوں کو اس
نے شکست کردیا وہ بونا پارٹ اور محمد علی کے حوصلے تھے میں جانتا ہوں
کہ لوگ اس بات کو خوب نہیں سمجھے کہ جنگ نیل نے کیسے عظیم الشان منصوبہ کو درہم
برہم کردیا مشرقی سلطنت پر نپولین کی طبیعت جم گئی تھی اور یورپ میں جس بات سے
وہ قاصر رہا تھا ایشیا میں بالضرور اسکو کامیابی ہوجاتی، وہاں چھوٹی چھوٹی عملی
حکمتیں بے فائدہ ہیں اور بڑی بڑی تدبیریں اس سبب سے کہ طبائع ملک کے
موافق ہوتی ہیں جڑ پکڑ جاتی ہیں اور نپولین کے دماغ میں ایک ایسا خیال جاگزیں
تھا جو یقیناً سرسبز ہو جاتا نپولین کے انگریز مخالفوں نے اپنے خیالات پر اسکے
خیالات کا بھی اندازہ و قیاس کر کے اسیقدر سمجھا کہ اسکا یہی ایک چھوٹا سا منصوبہ ہے
کہ براہ فارس ہندوستان پر حملہ کرے اور اس منصوبہ کو انہوں نے ایک دیوانگی کا
خیال قرار دیدیا لیکن حقیقت میں ہندوستان تو اسکی تجویزوں کا ایک مختصر حصہ تھا
نپولین نے قاہرہ میں جب علانیہ کلمہ پڑھا اور دین اسلام کا
ادعا کیا تو اسکا یہ ارادہ تھا کہ اسلام کا سردار بنجاؤں اور اس کی یہ دلیل بجا تھی کہ
تین سو برس گذرے جو بات سلیم کے لئے ممکن ہوگئی تھی وہ اسوقت میرے لئے بھی
ممکن ہے اور بیشک ۹۹ءمیں جب مسلمانوں سے کہا جاتا کہ نپولین کی خلافت
تسلیم کرو تو وہ اسوقت سے زیادہ متعجب نہ ہوتے جب ۱۹ء میں
ایک عثمانیہ خاندان کے شخص کی خلافت کا تسلیم کرنا اون سے چاہا

گیا تھا[۵۱]، یہ بات تو خونخوار جنگ نیل سے رک گئی ورنہ نپولین جیسے ہنرمند جنگ کے لئے یہ سب کچھ ہو جاتا ۔ بلکہ اس سے زیادہ اور یہ بات سمجھ میں آسکتی ہے، کہ مسلمانوں کے ایک بڑے گروہ کے مخالف ہو جانے سے یورپ کو ایسی مصیبتیں پیش آتیں جو خاص نپولین کی لڑائیوں کے مصائب سے کہیں زیادہ ہوتیں اور اسی اثنا میں نیل یا باسفورس پر بہ نسبت اس سلطنت کے بوناپارٹ والے دریائے سین پر قائم کرسکتے ایک زیادہ دیرپا سلطنت قائم ہو جاتی، بہرکیف اس بات کی وقعت ایک دلچسپ خیال سے زیادہ نہیں ہوئی اور اس پر نہیں چند لوگوں نے توجہ کی جنہوں نے ازراہ بصیرت اسکو ایسا قریب الوقوع دیکھا کہ اس کے سارے پہلوؤں کو سمجھ سکے[۵۲] اور اسپر متحیر ہو سکے، ان اصحاب فہم و بصیرت میں محمد علی البانیا کا صاحب ہمت بھی تھا جس نے حکومت مصر اوسوقت اختیار کرلی جب انگلستان نے سلطان ٹرکی کو صوبہ مصر واپس دیدیا محمد علی نے ابتدا ہی سے بوناپارٹ کی کارروائیوں کو اپنے لئے نمونہ بنا لیا تھا اور خلیفہ بننے کی آرزو کو جو نپولین کا سب سے بڑا حوصلہ تھا گویا اس نے نپولین سے وراثت میں پایا تھا اور مستقل طور پر اسکے حاصل کرنے کی کوشش کی تھی، وہ کامیابی کے نہایت قریب پہنچگیا تھا ۱۸۳۹ء میں محمد علی مکہ اور قاہرہ اور بیت المقدس پر قابض تھا اور بمقام قونیا اس نے سلطان کو شکست دی تھی اور براہ ایشیائے کوچک قسطنطنیہ پر بڑھتا جاتا تھا، وہاں پہنچکر بلاشبہ وہ اپنی خلافت کا اعلان کردیتا کیونکہ تمام ضروری شرطیں

[۵۱] اگر نپولین کے مسلمان ہو جانے سے یہ امکان پیدا ہو گیا تھا کہ مسلمان اسکو اپنا خلیفہ بنالیں تو کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ انگریز بحیثیت سلطنت مسلمان ہو جائیں اور منصب خلافت لے لیں کیونکہ وہ ایک طاقتور مسلمان بادشاہ کا حق ہے

[۵۲] نپولین کے ایجنٹ لاسکیرس جو اہل عرب میں متعین تھا اسکا اصلی روزنامچہ پچھلے دو سالوں میں بمقام حلب دستیاب ہوا ہے اور گورنمنٹ فرانس نے اسکو خرید کر لیا ہے۔ اگر میں بالکل غلطی پر نہیں ہوں تو میری دانست میں جب ابھی آئندہ کو شتہر ہوتا اور شائع کیا جائیگا اس سے نپولین کے مہم مصر کے متعلق نئے نئے اور بہت بڑے حال معلوم ہونگے۔ بلنٹ۔

مسلہ حق سلطان کے متعلق جن کی بنا پر نیا دعوے قائم ہو سکتا تھا اس میں موجود
تھیں اور یہ امر قرین قیاس نہیں ہے کہ اس مقصد کے حاصل ہونے میں علمائے
ترک اسکی کچھ زیادہ مذہبی مزاحمت کرتے سلطان مراد کی انتظامی اصلاحوں سے
وہ لوگ خود کچھ پریشان اور اندیشہ ناک ہو رہے تھے پس سلطان کی حمایت میں
شاید وہ کچھ وہ زور دکھاتے اور اگرچہ خود محمد علی پر یہی الزام تھا کہ جادۂ مستقیم پر
ٹھیک ٹھیک قائم نہیں ہے تاہم متشرع اسلام پیا سکو ایک یہ بڑا دعوی تھا کہ اس
نے مکہ اور مدینہ کے مقدس شہروں کو وہابیوں کے پنجے سے چھڑایا تھا، خاندان عثمانیہ
اس وقت میں نہ صرف بیرونی دنیا کی نظر میں ناپسندیدہ ہو گیا تھا بلکہ خود مذہب
حنفی کی نگاہ میں بھی مکروہ ہو گیا تھا اور چونکہ علمائے حنفیہ نے سابق میں سلیم کو
خلیفہ تسلیم کر لیا تھا لہذا بہ طرز معقول ۱۸۳۹ء میں وہ لوگ محمد علی کو خلیفہ تسلیم
کر لیتے، لیکن اس حکمت عملی کی پیروی میں جیسا اب بچپانا مشکل ہے انگلستان نے[1]
اس ارادہ کو بھی روک دیا اور خاندان عثمانیہ کو اگر مذہبی طاقت کا نہیں تو
بہرکیف مذہبی افسری کا ایک نیا پٹہ حوالہ کیا گیا مسلمانوں میں سلطان عبدالمجید
اور سلطان عبدالعزیز کا عہد سلطنت اس نظر سے دیکھا جاتا ہے کہ اس میں درمیان
گورنمنٹ سلطانی و قدیم مذہب علمائے حنفیہ کے کامل بے تعلقی ہو گئی اس موقعہ
پر مجھکو جگہ نہیں ملتی کہ ان اصلاحوں کی نوعیت پر بحث کروں جنکا ارادہ مابین ۱۸۳۹ء
و ۱۸۶۹ء کے منجانب سلطنت عثمانیہ کے کیا گیا اور جزاً اپنر عملدرآمد ہوا تاکہ یورپ
کا غل و شور فرو ہو اور اس کی فرمایشیں پوری ہوں، مذہب کی طرف سے اور
مذہب کے ذریعہ سے ان اصلاحوں کو عمل میں آنا چاہیے تھا لیکن ایسا نہیں ہوا
بلکہ مذہب کی کچھ پروا نہیں کی گئی اور اسی سبب سے مذہبی آدمیوں میں اُن

[1] مسٹر بلنٹ انگلستان کو ناحق الزام دیتے ہیں کیونکہ انگلستان محمد علی کی خلافت تسلیم کر لینے کے بعد [illegible] حسن نظامی

اصلاحوں نے کہیں وجہ قبول نہ پایا، بیشک اسلام میں ایسی تمام اصلاحیں[1] ناقابل عمل
رہیں گی، کیونکہ خلاف شرع ہونے کا ایک لازوال عیب خواہ مخواہ ان میں لگا
رہیگا، مجھے امید ہے کہ اس کتاب میں کسی آئندہ موقع پر یہ بیان کرونگا کہ سچی
اصلاح کا عمل میں آنا اور منظور و قبول ہوجانا کس طریقہ سے وقوع میں آسکتا ہے
اس وقت میں صرف ان خطاؤں اور ان کے احکام متعلقہ کے اعلان و اجرا
کا ذکر کرونگا، جو تاریخ خلافت عثمانیہ میں زوال کا نشان دیتے ہیں اور صریحاً
اس بازگشت کی حکمت عملی کا باعث ہوئے ہیں جو اسوقت ہم قسطنطنیہ میں
مشاہدہ کر رہے ہیں، سلطان عبد المجید نے بسبب اپنے بے موقع ارادوں
کے مسلمانوں سے کافر کا خطاب حاصل کیا اور سب کو معلوم ہے کہ اس کا
بیٹا مذہبی قانون کا توڑنے والا قرار پاکر تخت سے اوتار دیا گیا، لیکن معلوم
ہوتا ہے کہ سلطان عبد العزیز نے ایک وقت میں اپنی اصلی حالت کو سمجھا تھا
اور اس بات کو تاڑ لیا تھا کہ مجھ سے کیا کیا امور مطلوب ہیں یہ بات واقعہ
مصرحہ ذیل سے معلوم ہوگی، بہرکیف یہ واقعہ اس عہد کا نشان دیتا ہے،
جب بمرتبہ اول ٹرکی میں یہ ایک مضبوط اور مستقل پالیسی قرار دی گئی،
کہ سلطان کی مذہبی اور روحانی افسری (یعنی خلافت) کے دعوی از سر نو
زندہ کئے جائیں، مجھ سے اس کے حالات یوں بیان کئے گئے ہیں کہ سلطان
عبد العزیز کے اوائل ایام سلطنت میں ایک مدبر ملک جو حقیقت میں نہایت[2]
عالی خیال اور ہوشیار اور ممالک مشرقی اور مغربی دونوں جگہ کے حالات
کا عالم متبحر اور بالخصوص اسلام کی مذہبی تاریخ کا بڑا جاننے والا تھا قسطنطنیہ

---

[1] مسٹر بلنٹ کو لکھنا چاہئے تھا کہ خلاف اصلاحات خلاف شرع اسلام ہونے کے سبب ناقابل عمل رہیں ورنہ عبادت
انکی عداوت پر محمول کیجائیگی جو انکو اسلام سے ہے، [2] علامہ سید جمال الدین افغانی سے مراد ہے، حسن نظامی

وارد ہوا ارشدی پاشا اسوقت کے وزیر اعظم کا اور ٹرکی کے اس نئے گروہ
کے لوگوں کا وہ دوست تہا جو ہر اچھے یا بُرے وسائل سے چاہتے تھے کہ کسی
طرح مرکز شہنشاہی کو پہر مضبوط اور قوی کریں، اس نے ان لوگوں سے اور
بعد کو جب وہ باریاب ملازمت سلطانی ہوا تو خود سلطان سے وہ فوائد بصراحت
بیان کئے جو گورنمنٹ عثمانیہ کو اس حالت میں حاصل ہونگے کہ مذہبی حکومت
سلطان کی بطور خلیفہ کے زیادہ نمایاں اور پیش پیش حالت میں کر دیجائے
اس نے کہا کہ یہ ایک ذریعہ صوبوں کو بھی دباؤ میں رکھنے کا ہوگا اور اہل یورپ
کے پولٹیکل عملی حکمتوں کے مقابلہ کو بھی ایک آلہ ہو جائیگا، اس نے سلطان
عبد العزیز کو یہ بات سوجہائی کہ آپ کی اصلی طاقت اس میں نہیں ہے کہ
دنیاوی قوتوں کو مضبوط کیجئے، بلکہ اس بات میں ہے کہ اپنی مذہبی اور روحانی
قوتوں کو مضبوط و مرتب کیجئے اس نے سلطان کو حدود سلطنت کے باہر کی
اسلامیہ آبادیوں کی عظمت بتائی اور یہ اصرار کیا کہ جہاں تک ممکن ہو وہ سب
قسطنطینیہ کے اثر اور دباؤ کے دائرہ کے اندر کر لی جائیں اور اسطور پر ممالک بار
بری اور ہندوستان اسلامیہ اور وسط ایشیا سب کے سب جملہ اغراض
ومنشا کے لیے بجز خراج گزاری کے تحت ٹرکی کی رعایا و ماتحت ہو جائیں گے
عہد سابق میں خلفاء پر واجب تھا کہ تمام ممالک اسلامیہ میں وہ اپنی مذہبی حکومت
کی قائم مقامی کے لئے امام مقرر کرتے تھے، چنانچہ یہ مشورہ دیا گیا کہ یہ لوگ
پہر ایک مرتبہ مقرر کئے جائیں، امام یا پیش نماز متشرع مسلمانوں میں ایک
ضروری چیز ہے اور جب خلیفہ نے جو خود امام اعظم ہوتا ہے ایسے امام
نہ مقرر کئے تو مسلمانوں نے مجبور ہو کر یا تو لوکل گورنمنٹوں یعنی مقامی حکومتوں
سے انکی تقرری کی استدعا کی یا خود ان کو مقرر و منتخب کر لیا، لیکن وہ

معترف تھے کہ یہ بات موافق شرع نہیں ہے پس وہ بہت خوشی سے اس جائز اور شرعی طریقہ کو پھر قبول کرلیں گے اور اس کے ساتھ ہی ان مذہبی عہدوں کا پھر قائم ہو جانا قسطنطنیہ کی مذہبی طاقت میں ایک عظیم الشان اضافہ کردیگا سلطان عبد العزیز سے یہ بھی کہا گیا کہ دیکھیے عظیم او ساہم خطرہ آپ کے کیسے بڑے کام کا ہے اور وہاں دباؤ اور رسوخ پیدا کرنے کے وسائل غفلت سے چھوڑ دئے گئے ہیں ایک شخص نے جو اس جلسہ میں موجود تھا مجھے مطلع کیا ہے کہ سلطان عبد العزیز کو صرف مسرت ہی نہیں ہوئی بلکہ وہ بے انتہا حیرت میں رہ گئے، معلوم ہوتا ہے کہ پہلے سے انکو اپنے منصب حاصلہ کے تاریخی عظمت وجلال کا اس کے اختیارات اور حقوق کا کچھ خیال نہ تھا چنانچہ چند عرصہ کے لئے انکی عنان اندیشہ اس راہ کی طرف جو دکھائی گئی تھی پھر گئی، سلطان نے اکابر علما کو طلب کرکے پوچھا کہ میں نے جو یہ سب باتیں سنی ہیں آیا صحیح ہیں، اور جب ان کا جواب بالکل ان باتوں کے مطابق نکلا تو سلطان نے شیخ الاسلام کے نام حکم جاری کیا کہ مسئلہ خلافت پر بذریعہ تمام وسائل امکانی کے زور دو اور اسکو آگے بڑھاؤ. چنانچہ دنیائے اسلام کی ہر سمت بالخصوص ہندوستان اور ممالک باربری کی طرف واعظ بھیجے گئے تاکہ مسئلہ خلافت کو حنفی طریق سے بیان کریں اور اسکو سمجھاویں اور اگرچہ ابتداً ان واعظوں کو کم کامیابی ہوئی لیکن بالآخر انکو ان ممالک میں اپنا مقصود حاصل ہو گیا جہاں مسلمان لوگ غیر اسلامی سلطنت میں رہنے پر مجبور تھے، یہ بات یہانتک بڑھی کہ پھر ایک مرتبہ خلافت عثمانیہ کا ڈنکا تمام مذاہب میں بجگیا یعنی انکی خلافت بطور مسلمہ مسلمہ کے ہوگئی، اس باب میں ان واعظوں کی تائید ایک قومی آلہ سے ہوئی جو ابتداءً اس کام کے لیے اسوقت ترکی میں بنایا گیا۔

یعنی ایک مطبع[1] زبان عربی کا ایک اخبار موسوم بہ جوائب زیر ہدایت و نگرانی احمد فارس ایک نومسلم کے جاری کیا گیا، یہ شخص عربی کا بڑا عالم اور ایک نہایت لایق انشاپرداز ہے اور مسئلہ خلافت میں خود اس کی رائے قائم ہو چکی تھی، چنانچہ یہ پرچہ اب تک برابر علمار کی اس نئی حکمت عملی کا موید رہا لیکن استنبول کے افسران سرکاری کے سازشی فرقہ کی توجہ ہنوز دوسرے مقاصد اور اعتراض کی طرف مائل تھی اور صرف نصف شخصوں نے اس بات کو سمجھا کہ سلطنت کی انتظامی اصلاح کی تدبیریں مذہب کو کیا اور کس پیرایہ میں کام کرنا ہے، علاوہ بریں، اور یہی بات علما کے لئے سخت حارج تھی، سلطان عبدالعزیز اس قابلیت کے آدمی نہ تھے کہ کسی بڑے پولٹیکل خیال پر مستقل رہیں اور اسکو پورا کریں وہ ایک عیاش آدمی سے کچھ کم نہ تھے لہذا وہ اور ان کی گورنمنٹ بہت جلد پھر اپنے اسی موروثی حکمت عملی پر آرہے جو صرف اسلحہ کی قوت پر اور غیر ملکوں کی قرضوں پر اور عہدہ داروں کی سازشوں پر اپنی طاقت کا مدار سمجھتے تھے عملی طور پر اس طریقہ مجوزہ میں وزرائے عثمانیہ نے جو کام کئے وہ صرف وہی دو جہاد تھے جنکا اعلان وہابیان حسا اور معتزلہ ائمہ صنعا کے مقابلہ میں کیا گیا تھا لیکن علمار حنفیہ اس بات سے مطمئن نہ ہوئے انہوں نے یہ عزم راسخ کر لیا تھا کہ اس نئے خیال کو پورا کریں اور سلطان کو اس بات پہ مجبور کریں کہ وہ علانیہ مذہبی اور انتظام مذہبی کے متعلق کارروائیوں کے پیشوا بنجائیں پس جب انہوں نے دیکھا کہ سلطان عبدالعزیز طریق خلافت میں ٹھیک ٹھیک نہیں چلتے تو انہوں نے انکو تخت سے اوتار دیا۔ اور عبدالحمید سلطان حال کے لئے جو ان کے خیال کے موافق سچے ولا ور اسلام میں راہ کھول دی

[1] الجوائب، ابتدا تقریب سنہ ۱۸۶۰ء کے شائع ہوا۔

مذہبی سلسلہ جانشینی پیغمبر میں خاندان عثمانیہ کی شاخوں کا یہ پچھلا پیوند جو لگا یعنی
سلطان عبدالحمید تخت خلافت پر متمکن ہوئے اگرچہ دیندار مسلمان کو یہ ایک نعمت
غیبی معلوم ہوئی لیکن سچے خیر خواہان اسلام[1] خواہ مخواہ اسکو ایک بڑا افسوسناک
واقعہ سمجھتے ہیں[2]۔ یہ بات قریب یقین کے ہے کہ اگر عبدالمجید یا عبدالعزیز کا جانشین
کوئی ویسے ہی نافہم و بیخبر لوگوں میں سے ہوتا جو اکثر تخت سلطنت پر بیٹھے ہیں تو خلافت
عثمانیہ اسوقت ایک زمانہ گذشتہ کی بات ہو چکی ہوتی۔ بہرکیف ایک اہم اور
معقول حصہ اسلام کی نسبت تو وہ خلافت ضروری مٹ گئی ہوتی ۱۸۷۹ء
میں جبکہ وہاں کی فوجی قوت بہت کم ہو گئی ہتی قسطنطنیہ کا محکمہ سرکاری اس بغاوت
کو فرو نہ کرسکتا جو سلطان کے مذہبی اور دنیاوی افسری کے مقابلہ میں یکجائی اور
اسکی جگہ کوئی ایسی چیز قائم ہوتی کہ جس سے صحیح اصلاح مذہب کی امید کی بنا قائم
ہوتی۔ غالبًا اسوقت تک ملک عرب اپنی خود مختاری کا اظہار کرتا اور کسی نئے
قریشی خلیفہ کا ماتحت ہو کر مشرقی ملک کو اپنا ساتھی اور ہمدرد بنا لیتا۔ اگرچہ شاید
مذہبی شورشوں اور تفرقوں کا وقوع ہوتا لیکن کم سے کم ایک زندگی پیدا ہو گئی ہوتی
اور زندگی ہی اسلام کو مطلوب ہے لیکن سوء اتفاق سے سلطان عبدالحمید نہ
تو ایک نرے نفس پرست اور آرام طلب تھے اور نہ جسم یا طبیعت کے کمزور تھے
انہوں نے ایک ایسے بیساختہ خیال سے جسپر خواہ مخواہ ہر شخص آفرین کہے گا
اوس حبل متین کو پکڑ لیا جو ان کی اور ان کے خاندان کی حفاظت کے لئے
رہگئی ہتی اور مذہب کے اعلی درجہ کے خیر خواہ گروہ کے پیشوا اور سردار
بن گئے اور چند عرصہ کے لئے بری ساعت کے آنے کو روک دیا[3] سلطان

---

[1] ان سچے خیر خواہان اسلام میں سوائے مسٹر بلنٹ کے دوسرا کوئی شریک نہیں اور جمع کا لفظ بحالت مجبوری بلنٹ صاحب نے اپنے حسد وکینہ کو شریک کرکے لکھا ہے۔ [2] اور اسی واسطے اسلام کے سچے خیر خواہوں کی نظر میں ان کی تخت نشینی ایک بڑا افسوسناک واقعہ ہتی۔ بلنٹ کا حافظہ کسی دیسی کارخانہ میں بنا ہو گا حسن نظامی ؕ

[3] سکا

عبدالحمید کی خو اور خصائل اور مذہبی رایوں کی نسبت صحیح اطلاع حاصل کرنا مشکل ہے لیکن میری دانست میں یہ بات بلا شبہ کہی جا سکتی ہے کہ باعتبار مذہبی رایوں کے وہ ایک پکے حنفی ہیں، لڑکپن میں باوجود شہزادگی کے وہ ایک متین شخص تھے اور علمی مذاق خصوصًا علم جغرافیہ و تاریخ کا شوق رکھتے تھے مذہب میں اگرچہ عالم نہیں ہیں لیکن تاہم کچھ مذہبی علم انکو حاصل ہے لہذا یہ بات تسلیم کرلینی چاہئے کہ اپنی مذہبی اور روحانی افسری یعنی منصب خلافت کی حالت پر انکو خلوص کے ساتھ عقیدہ ہے، جب عقیدہ سے غرض متعلق ہو تو خلوص کا حاصل ہونا آسان ہوتا ہے، اور ایک شخص نے اپنی چشم دید کیفیت مجھ سے بیان کی ہو کہ تخت نشینی سے چند روز بعد حسب دستور مسطورہ بالا مسجد ایوب میں اونکو تلوار بندھوائی گئی تو انہوں نے اپنے طرز اور طریقہ میں ایک دفعتًا تبدیلی سے اہل بارگاہ سلطانی کو متعجب کردیا اس روز بعد دوپہر سلطان عبدالحمید تمام دن ان لوگوں سے اپنے درجہ مذہبی (منصب خلافت) کا ذکر ایسی زبان میں کرتے رہے جو کئی صدیوں سے محل سرائے سلطانی کی حدود کے اندر سنائی نہ دی تھی، یہ بھی تحقیق ہے کہ روسیوں کے حملہ کے ترددات سے نجات پاکر انکا پہلا کام یہ تھا کہ اسی اعلان اور وعظ کو جو شروع ہو چکا تھا از سر نو نظم و نسق کے پیرایہ میں لائے، ہندوستان اور ممالک باربری میں نئے واعظ اس لئے بھیجے کہ ان مسلمانوں پر جو غیر اسلامی زمین میں ہیں خاص سلطانکی خلافت کی حکومت کا وعظ کہیں، غیر ممالک کے اجنبی مسلمانوں سے بھی سلطان کی تقریر ابتداہی سے بہ نسبت دنیاوی بادشاہ کے زیادہ تر بطور حاکم مذہبی کے رہی اور سفیران یورپ کے ساتھ سلطان نے اپنی یہ حالت برابر اور مستقل طور پر اور نہایت اثر کے ساتھ قائم رکھی، سلطان عبدالحمید

کی لیاقت کا یہ کچھ کم اوراد نے ثبوت نہیں ہے کہ انھوں نے اپنی حکمت سے
ہماری تدبیر مملکت اور اثر سفارت کو درہم برہم کردیا ۔ سنا جاتا ہے کہ وہ
نماز کے نہایت پابند ہیں ، لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ سلاطین ترک کے دستور
احتراز نکاح شرعی پر بھی قائم ہیں ، سلطان عبدالحمید درویشوں اور اہل
کرامات اور مقدس لوگوں کے بڑے فیاض مربی ہیں ، سلطان ایسے لوگوں
کی بڑی تلاش میں رہتے ہیں اور ان کی بڑی عزت کرتے ہیں امور سلطنت اور
اور عدل گستری میں جب وہ خود عمل کرتے ہیں تو سخت پابندی شریعت کی
کرتے ہیں اور مسائل مشتبہ میں ، ہمیشہ مفتی یا شیخ الاسلام سے مشورہ کرتے
ہیں جب کبھی یورپ کی فرمائشیں خلاف قانون شریعت[۱] کی ہوئی ہیں ، تو
سلطان نے ان کے روکنے میں کچھ کم اور ناقابل وقعت قوت و استقلال
ظاہر نہیں کیا ان تمام وجوہ پر نظر کرنے سے فوراً سمجھ میں آجائیگا کہ سلطان عبدالحمید
نے نہ صرف علمائے ترک کو اپنا مؤید بنا لیا ہے بلکہ اپنی عملداری سے باہر بھی
رایوں کے ایک بڑے اور قابل وقعت ذخیرہ کو اپنا طرفدار کرلیا ہے ، یا تو
مذہب کے حق میں یہ لوگ دغابازی کرنے والے سمجھے گئے تھے یا اب اُسی
خاندان عثمانیہ کے سلطان پھر ایک مرتبہ مشرق و مغرب میں بطور دلاور
اسلام کے نظر پڑنے لگی اور بطور فیشن کے علماء جو اسلام کی بازگشت
ابتدائی حالت پر چاہتے ہیں ۔ سلطان عبدالحمید کو شیر اسلامی سمجھتے

[۱] مقدمہ تحقیقات قاتلان سلطان عبدالعزیز میں سلطان عبدالحمید نے اپنی معمولی پابندی شریعت سے انحراف کیا ہے اگر علما کبھی انکو تخت سے اتارنا چاہیں گے تو اس[۲] لغزش کا الزام ان پر لگا سکیں گے ۔ سنا جاتا ہے کہ اس معاملہ میں سلطان نے اپنے ایک یوروپین معتمد کے مشورہ پر عمل کیا جو معاملات سفارت یورپ میں انکا مشیر ہے بلنٹ
[۲] بلنٹ کے اس سازشی مشورہ پر عمل نہیں کیا گیا اور سلطان عبدالحمید کی معزولی اس وجہ کے ماتحت نہ ہوئی حسن نظامی

جاتے ہیں، ایک سال گذرا جب میں جدہ میں تھا تو اسوقت یہ بات نہ تھی لیکن اب یہی حالت دکھائی دیتی ہے، اسوقت تک تو خود انہیں کے فریق کے لوگ انکی نسبت شبہ کے ساتھ گفتگو کرتے تھے اور بلاشبہ سلطان نے ان میں کوئی جوش پیدا نہیں کیا تھا وہ لوگ ان کے منشار کو نہ سمجھے تھے اور یہ خیال کرتے تھے کہ سلطان ایک چال چل رہے ہیں، لوگ سلطان کے نسب کو (ماں کی طرف سے) آرمینہ سے ملاتے تھے، اونکے سچے مسلمان ہونے پر[1] شبہ تھا یہ بات ناممکن معلوم ہوتی تھی کہ سلطان عبدالحمید کی حرم سرا کا مولود متین اور باوقار نکلیگا۔ علاوہ بریں سلطان عبدالحمید نے اسوقت تک اپنی قوت نہیں دکھائی تھی اور قوی ہونا ہی ایسی چیز ہے کہ جس سے ہر ملک میں آدمی دلاور اور بہادر کا لقب پاجاتا ہے اور اس کی ستایش ہوتی ہے، لیکن پچھلے آٹھ مہینے میں بہت جلد جلد واقعات وقوع میں آئے، یونان اور البانیہ اور کردستان میں عبدالحمید نے اپنی تدبیر کی بازی کو جیت لیا۔ انگلستان سے وہ کچھ نہیں ڈرے اور اصلاح مجوزہ گفتار کا سامنا دلیری سے کیا، یورپ کی آنکھوں کے سامنے انہوں نے یہ جرأت کی کہ مدحت پاشا کو جو یورپ کی حمایت میں تھا گرفتار کرلیا اور بہ الزام قتل اس کی تحقیقات کی بالآخر ٹیونس میں اہل فرانس سے بھی سلطان نے گویا اپنا ہی کام کرالیا، یعنی اس وجہ سے ان کو شمالی افریقہ کے مسلمانوں سے ہمدردی کے اظہار کا موقع ملا۔ حالانکہ وہی خلعت تھی کہ صدیوں سے سلطان کے دعوے کے برخلاف تھی بیس سال پہلے سلطان عثمانیہ کے لیئے یہ بات قطعًا ناممکن تھی کہ ایک عرب کے سینہ میں اپنی خیرخواہی اور وفاداری

---

[1] اور کسی کو چاہے شبہ نہ ہو مگر مسٹر بلنٹ نے تو فرضی شبہ پیدا کرنے کی خیرگاسی ڈال ہی نہیں خبر نہیں کہ ماں باپ کے غیر مسلم ہونے سے اولاد پر کچھ اثر نہیں ہوتا، اگر وہ مسلمان ہو۔ حسن نظامی

خیالات پیدا کردے، اس زمانہ میں ٹیونس کو بالخصوص اسی بات پر ناز تھا کہ
ہم تخت ٹرکی کی حکومت سے آزاد ہیں اور باستثنائے حنفی فرمانروایان ممالک
ساحل افریقہ کے اور سب لوگ ترکوں کی طرف سے لڑنے کے خیال کو لغو اور
واہیات سمجھتے تھے، لیکن اب خود مالکی مذہب کے لوگ جو قیروان میں مقدس
ہیں سلطان عبد الحمید کے اشاروں پر حرکت کرتے ہیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے
کہ مصر میں بھی سلطان کسی قدر کامیابی کے ساتھ تحریک کر رہے ہیں، اور
ہندوستان کے مسلمان تو علانیہ مساجد میں ان کے لئے دعا مانگتے ہیں،
ہر جگہ وہ فریق جو اسلام کی بازگشت چاہتا ہے مسلح کھڑا ہے اور اس ارمنی خلیفہ
کو جو انکی مرضی کے موافق کام کر رہا ہے اور یورپ کو بے اصل سمجھتا ہے، اور
بشرط ضرورت اس بات پر مستعد معلوم ہوتا ہے کہ کسی دن ان لوگوں کے
ساتھ ان لوگوں کا پیشوا بن کے علم جہاد بلند کرے، ....
با اینہمہ یہ خیال نہ کرنا چاہئے کہ کل متشرع اسلام قسطنطنیہ کا طرفدار ہو چکا ہے
میں ثابت کر چکا ہوں کہ ٹرکی اور مذہب حنفی پر مسلمانان کی دنیا کا خاتمہ نہیں ہے
اور سرگرم اور سخت طبع فریق سلطنت عثمانیہ اور ان سے بھی زیادہ مہیب یعنی
مقدس مالکی لوگوں کے پہلو بہ پہلو ایک ہوشیار اور ہونہار فریق کہ جس سے
مذہبی اصلاح کی امید پائی جاتی ہے موجود ہے، مصر کا مذہب شافعی اس فریق
کا حصن حصین ہے اور دیگر دور دراز ممالک مشرقی میں بھی یہ فریق قوی ہے
اس فریق کا پہلا عقیدہ یہ ہے کہ خاندان عثمانیہ اسلام کے لئے بلائے بد تھا اور
ہنوز بلائے بد ہے، اور اس خاندان کا خاتمہ قریب ہے، باوجود اسکے

لہ کوئی مسلمان کسی مسلمان کی نسبت ایسا برا خیال نہیں کر سکتا، بشرطیکہ وہ ذی علم اور مسلمان ہو۔ یہ بات
تو مسٹر بلنٹ نے کسی اور قوم کی نسبت کہی ہے جسکو سب جانتے ہیں (حسین قطامی)

سلطان عبد الحمید پاکیزگی کے ساتھ شریعت سے رجوع لائے ہیں، یہ فریق یہی سمجھتا ہے کہ وہ مذہب اسلام کو پریشان کرتے ہیں، سلطان اس فریق کے قایم مقام ہیں جو تمام بھلائیوں کا نہایت سخت مخالف ہے،

لوگ یہ جانتے ہیں کہ جب تک عثمانی خلیفہ رہیگا خواہ اس کا نام عبد العزیز ہو یا عبد الحمید اخلاقی ترقی ناممکن ہے اور اجتہاد کا دروازہ نہیں کھل سکیگا۔ اور عقائد و اعمال کی ایسی اصلاح کا ارادہ نہو سکیگا کہ جو ان کے مذہب کو زمانہ حال کے کفر کے مقابلہ میں قایم رکھنے اور چلنے کے قابل کردے، علاوہ بریں لوگ یہ بھی سمجھتے ہیں کہ باوجود اس تشرع کے عبد الحمید کی سلطنت بہ نسبت ان کے متقدمین کی سلطنت کے نہ زیادہ انصافانہ ہے نہ مسلمانوں کے قانون کے موافق ہے، وہی انتظامی برائیاں اور اپنی مسلمان رعایا کی بہتری کی نسبت وہی بے پروائیاں اس میں موجود ہیں، بہ نسبت دیگر ممالک اسلامیہ کے غالبا سلطان عبد الحمید کے متبع خود انہیں کے ملک میں بہت کم ہیں، بہرکیف قسطنطنیہ سلطان کی کوئی مضبوطی کی جگہ نہیں ہے، کیونکہ اصلاح جو ترکوں کا نیا گروہ ہرگز مردہ نہیں ہے، موت اور زندگی کی نیرنگی ساحل باسفورس پر پے در پے وقوع میں آتی ہے اور یہ آزاد فریق اس دوسرے کی بہ نسبت زیادہ قائم رہ سکتا ہے جب کبھی سلطان عبد الحمید وفات پا گئے یا ان کی سلطنت جاتی رہے گی، فوراً خلافت عثمانیہ کے برخلاف کارروائی شروع ہو جائے گی۔

یہ پیشین گوئی پوری ہو گئی ابتدا کی ہے جب خلافت کی کارروائی ہوئی تو ملک ہمارے پیشین گوئی ہے کہ خلافت عثمانیہ پامال ہی نہ ہو سکے گا،

حسن نظامی

مسٹر بلنٹ کے خیالات پر ایک نظر

اس مضمون کے مصنف مسٹر بلنٹ ایک نامی انگریز ہیں مصری معاملات خصوصاً عربی پاشا کی بغاوت کے زمانہ میں ان کا نام بہت مشہور ہو چکا ہے۔ انہوں نے اپنی تمام دولت اور تمام قابلیت بلکہ تمام زندگی اس کام میں خرچ کردی۔ کہ

(۱) برطانیہ کو مسلمان قوم اور مسلمانی ممالک پر فوقیت و اقتدار حاصل ہو۔

(۲) اور ترکی اقتدار دنیا سے فنا ہو جائے،

دراصل انکی پہلی خواہش سے دوسری خواہش پیدا ہوئی تھی اور دوسری خواہش نے یہ تیسری خواہش پیدا کی تھی کہ ترکی اقتدار فنا نہیں ہو سکتا جبتک کہ اس کی خلافت کو کمزور نہ کیا جائے اور فلسفیانہ عقلمندی سے خلافت کا زور مسلمانوں کے دل سے دور نہ ہو، انہوں نے سالہا سال عربوں میں بود و باش رکھنے کے بعد اس ہتھیار کو معلوم کیا کہ خلافت عربوں اور قریشیوں کا حق ہے، ترک اس کے حقدار نہیں ہیں جسوقت انہوں نے کتاب فیوچر آف اسلام لکھی انگلستان کی وزارت اپنی قومی سرشت اور مشہور جبلت و خصلت کے سبب اسطرف متوجہ نہ ہوئی۔ کیونکہ برٹش قوم بیل کی طرح کاہل وجود اور دیر میں سمجھنے والی قوم کہی جاتی ہے۔ ملبنٹ کو اس کا بڑا صدمہ تھا۔ اور وہ چاہتا تھا کہ انگریز فوراً یہ پالیسی اختیار کریں جو اس نے کتاب فیوچر آف اسلام میں پیش کی تھی مگر مدت تک اس کا کچھ اثر نہ ہوا۔ چند سال کے بعد برطانوی وزرا ادھر متوجہ ہوئے اور مسٹر گلیڈسٹون نے قریشی خلافت کا گیت گانا شروع کیا اور اس کے بعد رفتہ رفتہ عرب میں ریشہ دوانیاں شروع ہوئیں۔ اور ادریسی و امام یحیی کے فساد ترکوں کے خلاف یمن وغیرہ مقامات میں ہونے لگے اور لارڈ کرزن خود ایک مشن لیکر کویت کے شیخ کے پاس تشریف لے گئے

اور اس تحریک نے بڑھتے بڑھتے جنگ یورپ کے ایام میں یہ شگوفہ کھلایا کہ خاص مکہ معظمہ میں شریف صاحب نے ترکوں سے آزادی کا اعلان کر دیا۔

اگر مسٹر بلنٹ کسی مقام پر زندہ ہیں تو اپنی محنت کا ثمرہ آنکھوں سے دیکھتے ہونگے ورنہ ان کی روح خوش ہو رہی ہوگی کہ چالیس سال پہلے جو پودہ انہوں نے لگایا تھا وہ اب ایک زبردست درخت بن گیا ہے اور انگلستان کی وزارت باوجود تمام اسلامی دنیا کی مخالفت کے ترکوں اور انکی خلافت کے خلاف کمربستہ نظر آتی ہے بلکہ بعض حالات سے مترشح ہوتا ہے کہ اتحادی طاقتیں یعنی فرانس و اٹلی بھی مسٹر بلنٹ کی رائے کے قدم بقدم چل رہی ہیں اور ترکی اقتدار کو دنیا سے مٹا دینا ان کو ضروری معلوم ہوتا ہے۔

(مسٹر قدوائی نے لندن سے تار بھیجا ہے کہ اٹلی و فرانس نے ترکوں کی مخالفت ترک کر دی ہے اب صرف جناب عالی اڑے ہوئے ہیں)

لوگوں کو معلوم ہے کہ اتحادی حکومتوں کا بیان عموماً یہی ہوتا ہے کہ ترکوں کا انتظام برا ہے اور یوروپین تہذیب کے لئے ان کا وجود رکاوٹ ہے اور بدنما دھبہ ہے اس واسطے ہم ان کو یورپ سے خارج کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

مسٹر بلنٹ کے مذکورہ مضمون میں بھی یہی اشارات ہیں گو انہوں نے اسلامی شرع کے نقطہ نظر سے بدنما کرنے کی کوشش بھی کی ہے تاکہ ناواقف مسلمان بھی ترکوں سے بدظن ہو جائیں۔ سمجھ میں آجائیگا کہ بلنٹ نے جو فرضی جھوٹی اور مغالطہ آمیز تصویر ترکوں کی بنائی تھی وہی تصویر یورپ و امریکہ میں آج کل مروج ہے۔ اور اسی پر سلاطین کی پالیسیاں قائم ہو گئی ہیں۔

میرے خیال میں بلنٹ نے ایسی کوئی بات نہیں لکھی جس کا جواب دینے کی ضرورت ہو اور جہاں جہاں انہوں نے اپنی قوم یا مسلمانوں کو مغالطہ

دیا ہے وہیں ہیں سے ان کو ٹوک دیا ہے ان کی ساری محنت کا خلاصہ یہ ہے کہ خلافت قریش کا حق ہے اور ترک قریشی نہیں ہیں۔ اور حنفی علمانے اپنے زور سے انکو خواہ مخواہ کا خلیفہ منوا دیا ہے۔ اس کا جواب نہایت آسان ہے کہ مسلمانوں کا اجماع خواہ کسی وجہ یا کسی غرض یا کسی ذریعہ سے ہو جب پوری امت کا اجماع عام ہو جاتا ہے یعنی دنیا کا بڑا حصہ مسلمانان کسی بات کو تسلیم کر لیتا ہے تو پھر اس کے لئے کسی اور دلیل کی ضرورت نہیں رہتی اور اس اجماع عام کی طاقت قران وحدیث کی دلیل کے مساوی ہو جاتی ہے۔ چونکہ ترکی خلافت کو تمام اسلامی دنیا نے قبول کر لیا ہے لہذا اب اس کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں رہی ہے اور تمام دنیا کے اعتراضات اس اجماع مسلمین کے سامنے ہیچ ہیں،

میں نے خلافت کا کام کرنے والی کمیٹیوں کے لئے مسٹر بلنٹ کا یہ مضمون شائع کیا ہے تاکہ وہ انگلستان کی گورنمنٹ اور اتحادی گورنمنٹوں کی پالیسی سے آگاہ ہو جائیں اور سمجھ لیں کہ بلنٹ کی رائے پر موجودہ پالیسی کی بنیاد رکھی گئی ہے اور یہ معلوم کرنے کے بعد انکو اپنے عمل کی شاہ راہ مقرر کرنے میں آسانی ہو۔

برطانیہ مسلمان ہو جائے

مسٹر بلنٹ نے بھی اس بات کا اشارہ کیا ہے اور میں بھی موجودہ شورش اور اضطراب کا صحیح علاج یہ سمجھتا ہوں کہ برطانی گورنمنٹ اپنے مسلمان ہو جانے کا اعلان کر دے۔ اگرچہ برٹش سلطنت کا کانسٹی ٹیوشن کسی غیر عیسائی مذہب یہاں تک کہ غیر پروٹسٹنٹ مذہب کے بھی اختیار کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ اور برطانی گورنمنٹ قواعد مقررہ کے سبب سخت مجبور ہے۔ لیکن خطرہ کے وقت ہر قاعدہ بدل سکتا ہے اور میرے خیال میں اس وقت سے زیادہ اور کوئی خطرہ کا وقت دنیا اور برٹش گورنمنٹ کے سامنے نہیں آئے گا اب خلافت کے مسئلے کے سبب

بالشویک فتنہ کا خوف ہے

روس کی یہ مشہور تحریک زیادہ تر مسلمان عناصر کو اپنے ساتھ ملا رہی ہے اور مستند طریقوں سے شائع ہو چکا ہے کہ افغانستان سمیت بڑی بڑی زندہ اور زوردار اسلامی جماعتیں بالشویک کی شریک حال بن گئی ہیں۔

میں علی الاعلان کہتا ہوں کہ مسٹر لائڈ جارج نے عاقبت اندیشی نہیں کی۔ اور خلافت کے مسئلہ کو کھٹائی اور خود غرضی میں ڈال کر اور مسلمانوں کی عالمگیر فکرمندی سے بے پروا ہو کر خود بالشویک تحریک کو قوت پہنچائی ہے اور آسانی سے کہا جاسکتا ہے کہ

بالشویکی سانپ انگریزی دودھ پی کر پلا ہے

مسلمان جوں جوں خلافت کے انجام سے اندیشہ مند ہوتے ہیں اور ان میں برطانوی پالیسی کے خلاف بے اعتمادی پیدا ہوتی ہے بالشویک تحریک ان کو اپنی طرف کھینچتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ بالشویک چند ماہ میں اتنے قوی ہو گئے ہیں کہ اتحادی مدبرین سب کام چھوڑ کر ان کی روک تھام کے لئے مشورے کر رہے ہیں اور ترکی تصفیہ کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ اور برٹش بیڑہ نے نقل و حرکت شروع کر دی ہے، بالشویک فتنہ ممکن ہے کہ فوجی قوت اور ہتھیار کے زور سے دب جائے۔ کیونکہ برطانی قوت کا مقابلہ آسان نہیں ہے مگر اس تدبیر سے تمام دنیا خصوصاً کل ایشیا میں خون کے دریا بہہ جائیں گے لہذا اسوقت اس کے سوا اور کوئی مفید علاج بالشویک کے زور توڑنے کا نہیں ہے کہ برطانی گورنمنٹ مسلمان ہو جائے۔ اگر آج برٹش گورنمنٹ مسلمان ہو جانے کا اعلان کر دے تو پلک جھپکاتے بائسکوپ کا فلم بدل جائیگا اور جو سیلاب برٹش اقتدار کے خلاف امنڈ رہا ہے برٹش کے دشمنوں کی طرف پھوٹ نکلے گا۔ اور خون کا ایک قطرہ بھی زمین پہ نہ گرنے پائیگا مسلمانوں کی قوت کا ایک بڑا ہجوم دنیا میں موجود ہے مگر وہ ہجوم اچھے رہنما یا

نہونے کے سبب پراگندہ ہے۔ اس ہجوم میں سرفروشانہ ہمت اور جانبازی کا جوش ابتک ویسا ہی باقی ہے جیسا کہ تیرہ سو برس پہلے تھا۔ مگر لایق کام لینے والے افسروں کی کمی کے سبب ان کی طاقت شمار میں نہیں آتی۔ بالشویک نے اس راز کو سمجھ لیا ہے اور وہ مسلمانوں کو متحد کرکے اپنا کام نکالنا چاہتے ہیں نپولین نے بھی اس نکتہ کو سمجھا تھا اور بقول مسٹر بلنٹ اسی غرض سے اس نے قاہرہ میں اسلام قبول کر لیا تھا کہ ایک دن مسلمانوں کا خلیفہ بنجائے اور مشرق و مغرب کا سب سے بڑا شہنشاہ کہلائے،

میرے خیال میں برطانی گورنمنٹ نپولین اور بالشویک سے اس کی زیادہ مستحق ہے کہ مسلمانوں کی قوت پراگندہ کو جمع کرکے اس کی سرپرست بنے اور اس سے فائدہ اٹھائے اور یہ کبھی نہ ہوگا جبتک کہ انگلستان کا سرکاری مذہب اسلام نہو جائے۔ انگریزی سرکار کا مسلمان ہوجانا تمام خطروں کو دور کردیگا۔ بالشویک اور ترکی تحریکیں مٹ جائیں گی کیونکہ تمام اسلامی دنیا انگریزوں کے ساتھ ہو جائے گی اور انگریزی جھنڈے کے نیچے جمع ہو کر ابھرنے والی دشمن قوتوں کو مضمحل کردے گی۔ انور پاشا۔ لینن وغیرہ کے جو افسوں مسلمانوں کو اپنا بنا رہے ہیں۔ وہ صرف ایک اعلان سے بے اثر ہوجائیں گے۔ اور عراق۔ شام۔ فلسطین۔ حجاز وغیرہ کی حکمداری بھی بغیر کسی تردد کے برطانیہ کے حصہ میں آجائے گی۔ اور اس وقت وہ تمام دنیا میں سب سے بڑی اسلامی طاقت ہوگی۔ جس کی مسلمانوں کو بشارت دیگئی ہے کہ ایک وقت مسلمان ہی ساری دنیا کے تاجدار ہونگے

انگریزی خلافت

میں تو یہاں تک یقین رکھتا ہوں کہ اگر برطانیہ مسلمان ہوجائے تو تھوڑے ہی عرصہ میں مسلمان اس کی خلافت بھی تسلیم کرلیں گے۔ اور مرکز خلافت

قسطنطنیہ سے لندن میں منتقل ہو جائیگا۔ کیونکہ خلافت اسلام کی حفاظت مسلمانوں کی حفاظت اور مقامات مقدسہ کی حفاظت اور ایک وسیع اقتدار سیاست کا نام ہے اور یہ سب برطانیہ میں موجود ہونگے۔ اگر یہ مشورہ دینے میں مجکو دیوانہ اور بے وقوف اور وحشی سمجھا جائے تو میں کچھ افسوس نہ کرونگا کہ مجکو دعوت حق میں یہ سب کچھ سننا منظور ہے۔ لیکن اگر اس مشورہ پر عمل نہ کیا گیا تو اندیشہ ہے کہ ایک دن برٹش گورنمنٹ کے موجودہ اراکین کو دنیا یہی لقب دے گی بلکہ تاریخ اس کی کوتاہ اندیشی پر نفرین کرتی رہے گی،

انگریزی گورنمنٹ اس وقت مسلمان نہوگی

جس شخص میں غور کرنے کی قابلیت ہے وہ فوراً کہدیگا کہ انگریزی گورنمنٹ موجودہ حالات میں مسلمان ہوجانے کے سب سے اچھے اور مفید مشورہ پر ہرگز عمل نکریگی کیونکہ اس کے موجودہ اراکین کا غرور حد سے بڑھ گیا ہے خصوصاً مسٹر لائڈ جارج تو اپنے سامنے ساری دنیا کی کچھ حقیقت نہیں سمجھتے۔ انہوں نے جرمن پر فتح پائی ہے۔ انہوں نے دنیا کی سب مخالف قوتوں کو زیر کر دیا ہے۔ ان کا دل کہتا ہے ہمیں اب دنیا میں کسی کا خوف نہیں ہے، دل ہی نہیں شائد زبان سے بھی وہ یہی کہتے ہونگے۔

ایسی حالت میں وہ کیونکر اسلام قبول کر سکتے ہیں مسلمانوں کا دین ان کی خاطر میں کس طرح آسکتا ہے وہ کہتے ہونگے ہمیں مسلمانوں کا کچھ خوف نہیں ہے، جرمنی نے ہم سے دشمنی کرکے اپنا انجام دیکھ لیا مسلمانوں کی کیا مجال ہے جو وہ ہم سے آنکھ ملا سکیں پھر ہم ان کا دین کیوں قبول کریں۔

کانگریس دہلی کے بعد ڈاکٹر انصاری صاحب کی تقریر مسلم لیگ کے بارہ میں ایک وقعہ گورنمنٹ ہند کے ایک بڑے رکن انگریز سے میری گفتگو ہو رہی تھی تو بے اختیار

انکی زبان سے نکلا " جرمنی سالہا سال سے کہتا تھا میں تم سے لڑونگا میں تم
سے لڑونگا۔ اور ہم صبر کئے خاموش سن رہے تھے۔ آخر ہم میدان میں اتر آئے
اور اسکو پیس کر رکھدیا۔ اب مسلمان کہتے ہیں۔ ہم تم سے لڑینگے۔ ہم تم سے لڑینگے
تو ہمیں ان کا کیا خوف ہو سکتا ہے۔ ان سے کہدو وہ سامنے آجائیں "

یہ بہت لایق اور دانشمند انگریز ہیں، دوستانہ وضعداری کا لحاظ اہل
مشرق کی طرح رکھتے ہیں۔ میں نے کئی سال کی دوستی میں کبھی اس قسم کا کوئی
لفظ ان کی زبان سے نہ سنا تھا۔ مگر طاقت کا خیال اور غصہ کی آگ بڑے بڑے
عاقل اور نرم مزاج آدمیوں کو از خود رفتہ کر دیتی ہے پس اگر ان کی طرح لائڈ جارج
بھی فتحیابی کے نشہ میں مسلمانوں کو خاطر میں نہ لائیں تو تعجب کی بات نہوگی۔

اس میں شک نہیں کہ دنیا بھر کے مسلمانوں کی حالت پراگندہ ہے۔ اور
اسلام کی ظاہری برتری ان میں باقی نہیں ہے۔ مگر ان کے اندر اسلام کی روح
اسلام کا جوش اور اسلام کی حمیت اب تک موجود ہے۔ انگلستان کی وزارت
نے مسلمانوں کا غلط اندازہ کرنے کا تجربہ کر لیا ہے۔ اگر وہ ترکوں کو حصہ ترکی کا
انکو جرمنی سے نہ ملنے دیتی تو جنگ یورپ کا خاتمہ دو سال کے اندر بلکہ شاید اس
سے بھی کم عرصہ میں ہو جاتا اور آج انگلستان کو موجودہ افکار کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔
لیکن انگلینڈ کے وزرا وحشی ترکوں کو خاطر میں نہ لاتے اور انکو جرمنی سے ملا دیا۔ وہ حقیر جنہیں
اور سمجھتے ہے یہاں تک کہ اس تھوڑے سے درہ دانیال میں ایک لاکھ سے زیادہ آدمی مار
ڈالے اور متحدہ سلاطین کے بیڑہ کو مجبوراً بھاگنا پڑا۔ اور اسی تھوڑے عراق میں
جنرل ٹاؤن شنڈ کو شکست کر گرفتار کر لیا۔

اب یہی جھگڑا [illegible] سے بھی حقیر جانا [illegible] دنیا میں خلفشار ہاے شورش
کی آتی جاتی ہیں [illegible] اس کو غیر ہاتھوں میں لینا شروع کیا ہے۔ جانتے ہیں کہ

وزیر پھر غفلت کرتے ہیں اور قریب کے راستہ کو چھوڑ کر بہت دور کا اور خطرناک راستہ اختیار کرنا چاہتے ہیں کیونکہ ابھی تک انکو اس جانور کی پوشیدہ مگر یقینی طاقت کا اعتبار نہیں ہے، خدا انکو سمجھہ دے اور وہ آزمائی ہوئی چیز کو دوبارہ نہ آزمائیں کہ پہلی آزمائش محدود تھی اور یہ دوسری آزمائش تمام اسلامی دنیا پر مسلط ہے۔

ترکوں کو قسطنطنیہ سے نہ نکالو

بکہ اس سے مسلمانوں کی دل شکنی ہی نہ ہوگی بلکہ ان کا ایک پرانا عقیدہ زندہ ہو جائیگا اسلام کے شروع میں جبکہ قسطنطنیہ رومی عیسائیوں کے قبضہ میں تھا اور کوئی عقلی امید اسپر مسلمانوں کے قبضہ ہونے کی نہ تھی پیشین گوئی کر دی گئی تھی کہ قسطنطنیہ مسلمان فتح کرینگے اور ایک عرصہ کے بعد پھر عیسائیوں کا اس پر قبضہ ہو جائیگا اور جب اسپر عیسائی قبضہ کرینگے تو مہدی کا ظہور ہوگا اور وہ عالمگیر جہاد کو کھڑے ہو جائینگے اور بزور تیغ قسطنطنیہ کو واپس لے لیں گے،

یہ پیشین گوئی اور ظہور مہدی کا خیال اہل عقل کے سامنے کتنا ہی مضحکہ خیز ہو مگر اس سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا کہ دنیا میں عقلمند گنتی کے چند آدمی ہوا کرتے ہیں اور باقی کروروں آدمیوں میں آنکھہ بند کر کے جذبات کی پیروی ہوتی ہے۔ اگر قسطنطنیہ ترکوں سے خالی کرا لیا گیا اور کوئی مہدی کھڑا ہو گیا تو اسلامی دنیا کو یہ یقین دلانا کچھ مشکل نہوگا کہ پیشین گوئی پورا ہونے کا یہی وقت ہے، اور اسوقت جو خوفناک حالت دنیا کی ہو جائیگی اس کے تصور کرنے سے کلیجہ کانپ جاتا ہے،

دانشمند انگریزوں سے اپیل

مسلمانوں کو یقین ہے کہ برٹش قوم میں دور اندیش اور دانشمند انگریزوں کی کمی نہیں ہے اور اس میں لاکھوں آدمی موقع کی نزاکت اور اہمیت کو سمجھنے کی لیاقت رکھتے ہیں اور ان کو انگلستان کے موجودہ وزیر اعظم مسٹر لائڈ جارج کی ناعاقبت

اندیشی صاف محسوس ہوتی ہے۔

لہذا مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ چند انگریزوں کی ناسمجھی سے متاثر ہو کر بے شمار انگریزوں سے ناراض نہ ہو جائیں اور ان عقلمند انگریزوں سے اپیل کریں اور انکو آنے والے خطرات سے آگاہ کرتے رہیں کہ انگریزی قوم سے مسلمانوں کا وفادارانہ تعلق رہ چکا ہے اور یورپ کی دیگر اقوام کے مقابلہ میں انگریزوں کی خوبیوں کو انہوں نے اچھی طرح دیکھ لیا ہے۔ اور انکو انگریزوں سے دوستی قائم رکھنے میں طرح طرح کے فائدے حاصل ہو سکتے ہیں

مسلمانوں کا آئندہ طرز عمل

جو ایڈریس وائسرائے ہندوستان کی خدمت میں خلافت ڈیپوٹیشن کے ہندو مسلمان ممبروں نے پیش کیا تھا اس میں مسلمانوں کے آئندہ طرز عمل کی جھلک دکھا دی گئی تھی، دہلی میں جب یہ ڈیپوٹیشن تیار ہو رہا تھا میں نے بعض لائق ہندو مسلمان لیڈروں سے آئندہ طرز عمل کی نسبت تبادلہ خیالات کیا تھا۔ تین روز متواتر گفتگو کرنے سے معلوم ہوا کہ مستقبل امید افزا نہیں ہے، اور خدانخواستہ صلح کانفرنس کا فیصلہ مسلمانوں کے حسب منشا نہ ہوا تو مایوسیاں ہندوستان میں بہت ابتری پھیلا دیں گی۔ اگرچہ مہاتما گاندھی خونریزی اور امن شکنی کی مخالفت میں اپنی تمام صادقانہ قوت صرف کر رہے تھے مگر میں دیکھتا تھا کہ باوجود ہر دلعزیز لیڈر ہونے کے اور باوجود اس کے کہ ہندو مسلمان دونوں ان کے ہر حکم کو تسلیم کرنے پر آمادہ رہتے ہیں دہلی میں کوئی ہندو مسلمان لیڈر ان کی امن پسند اور ضبط و صبر کی پالیسی کی تائید نہ کرتا تھا۔

میں نے کئی گھنٹہ خلوت میں مہاتما گاندھی سے بات چیت کی اور آئندہ طرز عمل کے بارہ میں ان کے خیالات معلوم کئے اور قرآن شریف کے احکام

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی پر بحث رہی اور آخر میں مجھکو اتفاق کرنا پڑا کہ مہاتما گاندہی کا اصول بالکل قرآن کے موافق ہے اور جو مسلمان لیڈر انکے خلاف طرز عمل قائم کرنے پر زور دیتے ہیں وہ انکا ناروا جوش اور غصہ ہے جس سے مفید نتیجہ نکلنے کی امید کم ہے۔

اصلی اسلام ستیہ گرہ ہے

مہاتما گاندہی کا کہنا یہ تھا کہ اگر مسلم لیگ کے خلاف فیصلہ ہو تو انکو ستیہ گرہ کرنی چاہیے اور میں اپنی ذات سے ان کے ساتھ رہونگا اگر انہوں نے ستیہ گرہ کی مگر مسلمان لیڈر خصوصاً علما کہتے تھے کہ ستیہ گرہ کا ذکر قرآن میں نہیں ہے اور ہم قرآن کی پیروی کرینگے اور اس کا حکم صاف ہے کہ تلوار اٹھاؤ جان لو اور جان دو۔ مہاتما خونریزی کے سراسر خلاف تھے اور چاہتے تھے کہ قرآن کی سند ان کو معلوم ہو جس سے وہ صبر و ضبط تحمل کی تلقین کر سکیں۔ میں نے کہا قرآن میں ستیہ گرہ کا حکم موجود ہے اور اللہ تعالیٰ نے اِسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ (مدد مانگو صبر اور دعا سے) فرمایا ہے۔ جو مسلمان لیڈر کہتے ہیں کہ قرآن میں ستیہ گرہ کا حکم نہیں ہے وہ اس آیت کو دیکھیں کہ صاف طور سے صبر و دعا کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ آنحضرت صلعم کی زندگی سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے شروع میں ستیہ گرہ پر عمل کیا تھا۔ جب وہ مکہ میں تھے ستیہ گرہ کرتے تھے یعنی دشمن ان کے پتھر مارتے تھے اور ان کے راستہ میں کانٹے بچھاتے تھے ان پر نماز کی حالت میں غلاظت ڈال دیتے ان کی پشت پر اونٹ کا اوجھ رکھ دیتے۔ ان کے رفیقوں کو جلتے پتھروں پر دھوپ میں باندھ کر ڈالدیا جاتا اور کوڑے مارے جاتے کہ تم اسلام کو چھوڑ دو مگر وہ سب مظالم پر صبر کرتے۔ اور اللہ واحد اللہ واحد اللہ ایک ہے اللہ ایک ہے پکارے جاتے

اور اپنے عقیدہ کو ان مظالم کے سبب ترک نہ کرتے ۔

یہی کا نام ستیہ گرہ ہے کہ اپنے اصول پر قائم رہے اور اصول کے دشمن کی طرف سے ظلم ہوا تو اسکو برداشت کیا ہو، دشمن کو زبان یا ہاتھ یا اور کسی طرح سے نقصان نہ پہنچایا ۔ رسول خدا صلعم نے مکہ میں یہی کیا تھا اور انہوں نے اور ان کے اصحاب نے خود ہی مظالم برداشت کئے تھے کسی کو نقصان پہنچانے کا قصد نہ فرمایا تھا ۔

ہندوستان میں ہم مسلمانوں کی حالت مکہ کے قرن اولیٰ کی سی ہے ۔ اور ہم کو صبر و ضبط کے سوا اور کسی بات کا چارہ نہیں ہے اگر ہم لڑنے کا خیال کرینگے تو اپنی جانوں کو ہلاکت میں ڈالیں گے اور قرآن نے ہمکو حکم دیا ہے وَلَا تُلْقُوا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّهْلُكَةِ (اور اپنے ہاتھوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو یعنی ایسے کام نہ کرو جو تم کو ناحق ہلاک کردیں) ۔

بے شک ایک مجبوری کی حالت میں ہمکو جہاد کا حکم دیا گیا ہے مگر جہاد کی کچھ شرائط بھی ہیں اور جب تک وہ موجود نہوں جہاد کرنا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہوگا ۔ ہندوستان میں وہ شرائط موجود نہیں ہیں ۔ اس واسطے مسلمانوں کی عاقبت اندیشی یہی ہوگی کہ وہ صبر و ضبط سے کام لیں اور غیظ و غضب سے مغلوب نہ ہوں ۔

مہاتما گاندہی کا ارشاد بالکل درست ہے کہ کمزور کا انتقام (ان کے الفاظ میں سچائی کا انتقام) ستیہ گرہ ہے ۔ اگر بدقسمتی سے مسلمانوں کو اپنی منشا کے خلاف صلح کانفرنس کا فیصلہ سننا پڑے تو ان کو مہاتما گاندہی کے ساتھ رہنا چاہئے ۔ کہ خونریزی اور امن شکنی سے زیادہ مہاتما جی کے اصول صبر میں انتقام کی طاقت پائی جائے گی ۔

ہیں سے بہ خود اپنی ذات کا یہی فیصلہ کیا ہے کہ مہاتما گاندھی کے طریقہ کا ساتھ دونگا۔ گو میں کوئی بڑا آدمی یا لیڈر نہیں ہوں مگر ایک مسلمان ہوں اور ہر مسلمان کو آجکل کے زمانہ میں ایک صحیح رائے قایم کرنے کی ضرورت ہے۔

ہندوستان کی سب خلافت کمیٹیوں اور عام مسلمانوں سے التجا ہے کہ وہ بھی تھوڑی دیر غصہ سے الگ ہو کر اس نازک مسئلہ پر غور کریں اور آنیوالے وقت کے لئے کوئی فیصلہ پہلے سے کریں۔ خدا ہم سب کو صراط مستقیم کی ہدایت دے۔ آمین۔

تحریک خلافت میں

ہندوستانی افسران گورنمنٹ کو مشورہ

میں دلی ہمدردی سے ہندوستان کے منتظم اور امن کے ذمہ دار افسروں کو بھی مشورہ دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ وہ وقت کی نزاکت اور خیالات کی سخت بے چینی کا لحاظ رکھیں اور عام جذبات سے مگر اینوالی باتوں کو زبان اور قلم اور طرز حکومت سے ظاہر نہ ہونے دیں اور جس مقام پر کوئی غلط فہمی پیدا ہو تو ہمکو نرمی اور عقلمندی سے دور کر دیں۔

سب سے بڑی ضرورت اس کی ہے کہ رعایا کے خیالات سے صحیح واقفیت حاصل کرنے کی کوشش کیجائے۔ خفیہ نویس محکمے کے کارندے میری رائے میں اتنے برے نہیں ہوتے جتنا انکو سمجھا جاتا ہے۔ یا قواعد پولیس کی مجبوری کے سبب ان کو بننا پڑتا ہے مگر محض خفیہ نویس لوگوں کی اطلاعوں پر دارو مدار رکھنا مناسب نہیں ہے بلکہ دیگر ذرائع سے بھی حالات کا علم حاصل کرنا چاہیے آجکل جو لوگ حکام کے پاس جاتے ہیں اور اپنی کچھ ذاتی اغراض ان سے رکھتے ہیں

وہ حکام کی خوشنودی کے لئے صحیح حالات زبان پر نہیں لاتے۔ اور افسروں سے ایسی باتیں کہتے ہیں کہ جس سے ان میں ہندوستانیوں کے خلاف اشتعال پیدا ہو اور وہ تقاضائے بشریت سے ضدکی پالیسی پر آمادہ ہو جائیں یا ایسی غلط اور بے اصل خبریں دیتے ہیں جن کا کچھ بھی وجود نہیں ہوتا۔ اور بیچارے حکام ان پر یقین کر لیتے ہیں یا جب حکام ان سے چارہ کار کی نسبت ان کی رائے دریافت کرتے ہیں تو جواب میں کہدیا جاتا ہے آپ کچھ بھی فکر نہ کیجئے۔ یہ چند شورش پسند لوگوں کا غل شور ہے جو صرف تیز مضامین اور گرم تقریروں کے ذریعے سے آپ کو دھمکانا چاہتے ہیں ورنہ کثرت رائے حکام کی ہمخیال ہے یا ان شور شوں سے بے تعلق ہے، ایسے آدمی حکام کے خیرخواہ نہیں ہوتے بلکہ پکے دشمن ہوتے ہیں کیونکہ ان کی باتوں سے حکام کو غلط فہمی ہوتی ہے، اور وہ جذبات عوام کا صحیح اندازہ نہیں کر سکتے اور جب کوئی حاکم اپنے محکوموں کے خیالات اور خواہشات سے واقف نہ ہو تو اس سے غلطیوں کا ہو جانا کچھ بعید نہیں ہوتا۔

حکام کو یاد رکھنا چاہیے کہ جو لوگ ان سے بے لاگ باتیں کرتے ہیں اور خطرات کے نشیب و فراز دلائل سے سمجھاتے ہیں اور اس بات کی پروا نہیں کرتے کہ حکام ان سے خوش ہونگے یا ناخوش، وہی اصلی خیرخواہ سلطنت اور رعایا کے ہیں اور جو ان کے خلاف رعایا کو برا کہتے اور حکام کو سختی کرنے کی صلاح دیتے ہیں وہ سرکار کے نادان دوست ہیں یا خود غرض دشمن ہیں،

صوبہ دہلی کی گورنمنٹ

خدا کا شکر ہے کہ صوبہ دہلی کی گورنمنٹ ایک ایسے دوراندیش اور عاقل افسر کے ماتحت ہے جو موجودہ معاملات کی نزاکت اور اہمیت کو اچھی طرح سمجھتا ہے

اور اپنے غیر سرکاری مشیروں کی ان صلاحوں پر عمل کرتا ہے جو اصلی نیک نیتی اور خیر خواہی سے دی جائیں ۔

اس کا حال سب کو معلوم ہے کہ خلافت کے مسئلہ میں دہلی کی رہنمائی سے تمام ہندوستان میں ایکتی جدوجہد ہو رہی ہے گو اس کے ابتدائی محرک بمبئی کے سیٹھ چھوٹانی اور لکھنؤ کے مولانا عبدالباری تھے مگر اب مرکزی قوتوں کا اجماع دہلی کے دماغ پر ہوگیا ہے اور دہلی تمام ہندوستان کی لیڈری کر رہی ہے ایسی حالت میں صوبہ دہلی کے حکام پر جس قدر بوجھ ہو اور جتنا فکر ان کو رہتا ہو حق بجانب ہے ۔ مسٹر بیرن چیف کمشنر دہلی کے فرائض کی مشکلات ہم سب اچھی طرح محسوس کرتے ہیں اور ہمکو اعتراف و اقرار ہے کہ انہوں نے آج تک کوئی کام عوام کے جذبات اور احساس کے خلاف اپنے حکم سے نہیں کیا ۔ بلکہ جشن صلح کی خوشی کو رعایا کی مرضی کے خلاف دیکھکر حکم دیدیا کہ شہر دہلی میں کسی قسم کی سرکاری خوشی نہ منائی جائے ، یہاں تک کہ قلعہ دہلی پر بھی روشنی نہ ہو

صوبہ سندھ کے حکام

ہندوستان کے پایہ تخت دہلی کے افسر تو ایسے محتاط اور دانشمند ہیں کہ ہندو مسلمان ان پر بھروسانہ اعتماد رکھتے ہیں مگر اسی ہندوستان کے صوبہ سندھ میں حکام کا طرز عمل بالکل احمقانہ پایا جاتا ہے ایسی زبردستیاں غدر کے بعد کسی صوبہ میں نہیں کی گئیں جتنی سندھ کے ہندو مسلمانوں پر خصوصاً سندھ کے علماء پر علی الخصوص سندھ کے مشائخ پر حکام اور ان کے خوشامدی ہندوستانیوں نے کیں ۔ سندھ اپنی آبادی اور تاریخ کے اعتبار سے خالص اسلامی صوبہ ہے وہاں عربی عصبیت اور عربی جان بازی کی روح موجود ہے ۔ عام غلطی

وجہالت کے سبب یہ سمجھ لینا کہ سندھ کے مسلمان مذہب کے معاملہ میں ہی ہیجان ہوگئے ہیں خطرناک غلطی ہے۔ سندھ مخدوش ممالک کا سرحدی مقام ہے وہاں اگر مذہبی جد وجہد شروع ہوگئی تو اس کی چنگاریاں ایران وافغانستان وعراق عرب تک پہنچیگی اور ناواقف حکام جو خلافت کے خلاف سختیاں کر رہے ہیں اپنی ہستیاں برباد کرنے کے بعد بھی اس آگ کو فرو نہ کر سکیں گے۔

تعجب ہے مسٹر جارج لائڈ گورنر بمبئی کی ذات سے جو بہت عاقل او حکیم بیان کئے جاتے ہیں انہوں نے کیونکر سندھی حکام کو اجازت دی یا اسکر جائز رکھا کہ رعایا کو جبراً دبایا جاتا ہے اور ان پر خلافت کی تحریک کے سبب ناروا سختیاں کی جاتی ہیں۔ سندھ کے حکام کو روکنا چاہئے ورنہ یہ سختیاں تمام ہندوستان کو متاثر کردینگی اور گورنمنٹ ہند کے وہ دوست جو امن شکنی کو روکنے اور ملک کو فساد وخون ریزی سے بچانے کی کوشش کر رہے ہیں مجبور ومعطل ہوجائیں گے اور فساد کی آگ تمام ملک میں بھڑک اٹھے گی

مسٹر لائڈ جارج کی ایک اور خطرناک غلطی

خلافت اور ہندوستان کی دیگر پریشانیوں اور بے چینیوں کے زمانہ میں مسٹر لائڈ جارج وزیر اعظم انگلستان نے ایک اور خطرناک غلطی کا ارتکاب کیا جس سے ہندوستان میں مذہبی خیالات پر ایک بجلی سی گر پڑی۔ انہوں نے وزرائے انگلستان کی طرف سے تمام نوآبادیوں یعنی ممالک مقبوضہ برطانیہ کے نام سنہ ۱۹۲۰ء کے سال نو کا پیغام بھیجا ہے۔ ہندوستان بھی برطانیہ کی ایک نوآبادی ہے اور وہ بھی اس پیغام کا مخاطب ہے۔ اس پیغام میں لکھا ہے

بنی نوع انسان کی منتظم اور یک جہتی کی از سر نو تعمیر میں وہی
اصول انجام کار بنیاد پائے جائیں گے جن کا مرکز عیسائیت
ہے یعنی یہ کہ خدا کو سب کا باپ اور جہان کے لئے ایک
منشائے الہی تسلیم کیا جائے، چونکہ یہ تسلیم کرنا ہر جگہ ہر فرد واحد
کی آزادانہ رضامندی کا نتیجہ ہو سکتا ہے اس لئے یہ پیغام
نیک دل لوگوں سے اپیل کرتا ہے کہ ان روحانی طاقتوں کی
ابدی صداقتوں پر غور کریں جو امن جہان کی مستقل بنیاد کی
اکیلی امیدگاہ ہیں،

اس پیغام کا حاصل مقصد یہ ہے کہ انسانوں کی یکجہتی اور امن پسندی اسپر منحصر ہے کہ ساری دنیا عیسائی ہو جائے ر وزیر اعظم سب ملکوں سے اس مسئلہ پر غور کرنے کی اپیل یعنی درخواست کرتے ہیں گویا چاہتے ہیں کہ عیسائی مذہب قبول کرنے پر غور کرو۔ ہندوستان میں یہ پیغام بہت خطرناک اثر پیدا کریگا۔ وزیر اعظم کو یاد نہیں کہ ۱۸۵۷ء کے غدر کی اصلی بنیاد یہی تھی کہ ہندوستانیوں کو شبہ ہو گیا تھا کہ انگریز ہندو مسلمانوں کو عیسائی بنانا چاہتے ہیں،

سب سے پہلے یہ پیغام اخبار آفتاب لاہور میں شائع ہوا اور جناب مولوی ظفر علیخان صاحب نے از راہ غیوری اسلام اس پر نکتہ چینی فرمائی، اسی زمانہ میں میں نے مسٹر ہیرن چیف کمشنر دہلی سے ملاقات کر کے اس خبر کی نسبت سوال کیا اور کہا کہ اگر یہ خبر سچی ہے تو وزیر اعظم سے سخت غلطی ہوئی ہے۔ انہوں نے لاعلمی ظاہر کی اور فرمایا وزیر اعظم ہرگز ایسے الفاظ استعمال نہیں کر سکتے اس میں غلط فہمی ہوئی ہوگی اب ۳۰ جنوری ۱۹۴۰ء کے روزانہ اخبار وکیل امرتسر میں یہ پیغام شائع ہوا ہے اور اسی سے میں نے اس کے اصلی الفاظ نقل کئے ہیں۔ اس پیغام پر وکیل میں

جناب مولانا محمد علی صاحب ایم۔ اے، امام جماعت قادیانی مقیم لاہور نے نکتہ چینی فرمائی ہے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ اس خبر کی اصلیت کہاں تک ہے لیکن ہندوستان کے مذکورہ دو اخبارات معتبر کا ماخذ غلط نہیں ہو سکتا۔ ممکن ہے دہلی کے چیف کمشنر صاحب کو اس پیغام کی سرکاری طور پر کوئی اطلاع نہ ملی ہو یا انہوں نے کسی اخبار میں نہ دیکھا ہو میں نے مہاتما گاندھی کے سامنے مسٹر سید حسین ایڈیٹر انڈیپنڈنٹ اخبار سے بھی اس خبر کی نسبت پوچھا تھا مسٹر سید حسین نے اس کی تردید کی اور کہا میں نے یہ خبر کسی جگہ نہیں دیکھی اور غالباً غلط ہے مہاتما گاندھی نے بھی اس کے صحیح ہونے کے امکان کو تسلیم نہ فرمایا مگر اسوقت مجکو اس خبر کی نوعیت معلوم نہ تھی کہ پیغام کی صورت میں ہے میں نے صرف یہ سنا تھا کہ وزیر اعظم نے اعلان کیا ہے کہ جبتک ہندوستان عیسائی نہ ہوگا امن قائم نہیں ہو سکتا اور یہی الفاظ میں نے بطور شکوہ کے چیف کمشنر صاحب دہلی اور مسٹر سید حسین و مہاتما گاندھی سے کہے تھے۔

خدا کرے یہ خبر سچی نہ ہو اور وزیر اعظم نے ایسے مخدوش الفاظ نہ کہے ہوں اور اگر انہوں نے ایسا کہا تو انکو چاہیے کہ فوراً سرکاری اعلان سے اس کی تردید کریں، ورنہ اس پیغام کو گورنمنٹ کی پالیسی سمجھا جائیگا۔ اور ایسی شدید بدگمانیاں پیدا ہونگی اور ایسے ہولناک نتائج نکلیں گے جن کا قیاس و تصور نہیں ہو سکتا۔ آنریبل سر سید احمد خاں صاحب مرحوم نے اسباب بغاوت ہند کی مشہور کتاب میں لکھا ہے کہ ۱۸۵۷ء کا غدر ان اسباب سے نہ تھا جنکو اس وقت کے انگریز حکام نے بنیاد غدر قرار دیا تھا یعنی غدر کی وجہ یہ نہ تھی کہ چپاتیاں بانٹی گئی تھیں اور یہ بھی نہ تھی کہ روس و ایران نے سازش کر کے غدر کرایا تھا اور یہ بھی نہ تھی کہ دہلی کے بادشاہ نے شاہ ایران سے سازش کی تھی اور اودھ کی ضبطی کو بھی غدر کے اسباب سے کچھ تعلق نہ تھا اور غیر قوم کی نفرت بھی غدر کی وجہ نہ تھی اور مسلمانوں کی خواہش جہاد بھی غدر کی موجب

نہوئی تھی اور انگریزی افواج میں بھی پہلے سے بغاوت کی کوئی سازش نہ تھی اور نہ بادشاہ دہلی اور انگریزی فوج میں کوئی خفیہ سمجھوتہ ہوا تھا بلکہ غدر کے اسباب یہ تھے (۱) غلط فہمی رعایا یعنی برعکس سمجھنا تجاویز گورنمنٹ کا (۲) جاری ہونا ایسے آئین اور ضوابط اور طریقہ حکومت کا جو ہندوستان کی حکومت اور ہندوستانیوں کی عادات کے مناسب نہ تھے یا مضرت رسانی کرتے تھے (۳) ناواقف رہنا گورنمنٹ کا رعایا کے اصلی حالات اور اطوار اور عادات اور ان مصائب سے جو ان پر گزرتی تھیں اور جن سے رعایا کا دل گورنمنٹ سے پھٹا جاتا تھا (۴) ترک ہونا ان امور کا ہماری گورنمنٹ کی طرف سے جنکا بجالانا ہماری گورنمنٹ پر ہندوستان کی حکومت کے لئے واجب اور لازم تھا (۵) بدانتظامی اور بے اہتمامی فوج کی۔

سرسید نے ان پانچوں اسباب بغاوت کی پوری شرح لکھی ہے اور ہر سبب کو تفصیل وار بیان کیا ہے اور پہلی وجہ رعایا کی غلط فہمی کے بیان میں انہوں نے لکھا ہے کہ اصل وجہ غدر کی یہ تھی کہ ہندوستانیوں کو یقین ہو گیا تھا کہ انگریز ہم سب ہندو مسلمانوں کو عیسائی بنانا چاہتے ہیں۔ کیونکہ عیسائی شدہ ہندوستانیوں کی بہت قدر دانی ہوتی تھی اور حکام کھلم کھلا عیسائی مذہب کی طرفداری کرتے تھے اور اپنے ملازموں کو حکم دیتے تھے کہ ہمارے بنگلہ پر آکر پادری صاحب کا وعظ سنو اور اس سے بھی بڑھ کر پادری اے۔ ایڈمنڈ نے ۱۸۵۵ء میں دارالحکومت کلکتہ سے ہندوستانیوں کو عیسائی بنانے کی تجاویز مراسلات عام کے ذریعہ شائع کرنی شروع کی تھیں جنکو عوام سرکاری حکم سمجھتے تھے۔ کیونکہ وہ عموماً تمام سرکاری ملازموں کے پاس بھیجی گئی تھیں اور نہایت صاف لکھا گیا تھا کہ تم سب کو عیسائی مذہب اختیار کر لینا چاہئے۔

سرسید نے اس پر بہت زور دیا ہے کہ غدر کی سب سے بڑی وجہ یہی عام بدگمانی تھی۔ اب باسٹھ برس کے بعد لائڈ جارج کے دماغ میں یہ کیسی بیوقوفی کا کیڑا پیدا ہوا ہے جو

وہ یہ پیغام ہندوستان کو بھیجکر برٹش سلطنت کے خلاف مذہبی جذبات کو برانگیختہ کرتے ہیں
میں گورنمنٹ ہند کی خدمت میں اپنے حاکم دہلی کے ذریعہ سے مخلصانہ درخواست
کرتا ہوں کہ جسقدر جلدی ممکن ہو اس خبر کی تردید کرائی جائے اگر غلط ہو یا اس پیغام کو واپس
لیا جائے ورنہ فتنہ پسند لوگ ان واقعات سے فائدہ اٹھانے میں دیر نہیں کرینگے اور یہ
معاملہ اس قدر سنگین اور اہم ہوجائے گا کہ کوئی قوت اس کی روک تھام نہ کرسکے گی،
مسلہ خلافت میں مسلمانوں کو محسوس ہو رہا ہے کہ عیسائیت کی ضد اسلام کے خلاف
کام کر رہی ہے۔ بلقانی جنگ کے زمانہ میں مسٹر اسکوئتھ سابق وزیر اعظم انگلستان نے
برسر مجلس کہا تھا کہ " سالونیکا فتح ہوگیا جہاں سے عیسائیت سب سے پہلے یورپ میں
داخل ہوئی تھی اور اب کوئی دم میں فتح قسطنطنیہ کی خبر بھی آنے والی ہے۔ پھر ایک اور
وزیر نے (غالبا لائڈ جارج یا مسٹر چرچل نے) جنگ یورپ کے ایام میں کہا تھا کہ قیصر جرمن
ایسی باتیں کرتا ہے کہ محمد (صلعم) کے بعد آج تک کسی نے نہیں کیں۔
وزرائے انگلستان کے یہ الفاظ ہندوستانی مسلمانوں کے دلوں پر نقش ہوگئے
ہیں اور اب وہ خلافت کی بحث میں انکو یاد کرتے ہیں تو ان کے اعتماد میں رخنہ پڑتا ہے
اور وہ ان شہرتوں کو قبول کر لیتے ہیں کہ یہ سب کچھ عیسائیت اور اسلام کی پرانی کش مکش
کا انتقام ہے۔ میں خیال کرتا ہوں مسلمانوں کی یہ بدگمانی صحیح نہیں ہے، انگریز وزرا
کے یہ الفاظ مذہبی تعصب سے کچھ تعلق نہیں رکھتے کیونکہ یہ لوگ عموماً سب کے سب لامذہب
ہیں اور انکو سوائے دنیا کے کسی دین سے بھی کچھ سروکار نہیں ہے، خلافت کے معاملہ
میں وزرائے انگلستان کی ضد اسلام کی دشمنی کے سبب نہیں ہے کیونکہ یورپ اب
وہ یورپ نہیں رہا جہاں صلیبی جہاد کا وعظ کامیاب ہوجایا کرتا تھا۔
تاہم میں درخواست کرونگا کہ برٹش حکام کو احتیاط کرنی چاہیئے۔ اور اپنی سلطنت کو
بازاری سلطنت نہ بنانا چاہیئے ایسی بے باکانہ سخت کلامیاں بازار والے کیا کرتے ہیں

تاجداری کے اراکین کی شان ان حرکات سے پاک رہنی چاہیئے،

میں نے یہ مشورہ اپنے ملک اپنی قوم اور اپنی گورنمنٹ کی بہتری کے لئے دیا ہے اگر اس پر اسی خلوص سے غور کیا جائیگا جس خلوص وصداقت سے یہ لکھا گیا ہے تو ہر شخص کے امن کو فائدہ ہوگا، ورنہ خدا تعالیٰ نے جو کچھ قسمت میں لکھدیا ہے وہ پورا ہوکر رہے گا اور کوئی تدبیر تقدیر کے نوشتہ کو مٹا نہ سکے گی۔

میں یہ رسالہ قلمبند کرچکا تھا کہ ۲۴ جنوری سنہ ۱۹۲۰ء کے اخبار وکیل امرتسر میں ذیل کا مضمون نظر سے گذرا۔ چونکہ اس کا تعلق بھی خلافت اور گورنمنٹ سے ہے اس لئے اسکو یہاں درج کرنا ضروری سمجھتا ہوں اور اس کے بعد اخبار وکیل کے ایڈیٹر کا جواب بھی درج کردیا جاتا ہے جو انہوں نے اپنے اخبار میں اس مضمون کی نسبت شائع کیا ہے۔ ناظرین آسانی سے سمجھ لیں گے کہ چودھری صاحب کے مضمون میں بلنٹ کے خیالات کی جھلک صاف نظر آتی ہے۔ انہوں نے بلنٹ کے چبائے ہوئے نوالہ کو دوبارہ چبایا ہے

حسن نظامی

از درگاہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہیؒ دہلی

خلافت اور مسلمانان ہند

(منقول از اخبار وکیل امرتسر)

(از چودھری عبدالغنی صاحب ایم اے، بیرسٹر ایٹ لا۔ لاہور)

ترکوں کے ساتھ ہمدردی ان کی کامیابی پر خوش ہونا ان کی مصیبت پر غم کرنا اور ان کی مصیبت کو دور کرنے کی کوشش کرنا بوجہ اخوۃ اسلامی اور ان کے مقامات مقدسہ کے محافظ ہونے کے ہے مگر سلطان ترکی کے احکام کی تعمیل کرنا یا اس ہمدردی کو یہاں تک پہنچانا کہ وہ مسلمانوں کے ان فرائض کے خلاف ہو جائے ... ت کی

رعایا ہونے کے عائد ہوں ایک علیحدہ سوال ہے جس کا حل اسوقت ضروری معلوم ہوتا ہے
کیونکہ ۲ جنوری کے ٹربیون صفحہ ۳ کالم ۴ میں درج ہے کہ مسٹر شوکت علی نے مسلم لیگ کے
اجلاس منعقدہ امرتسر میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ مسلمانوں کو ہز اکسلنسی وائسرائے پر
واضح کردینا چاہیے کہ اگر جزیرۃ العرب کی ایک انچ بھر زمین بھی کسی غیر مسلم طاقت کے پاس
چلی گئی تو پچاس کروڑ مسلمان آگے بڑھیں گے اور اپنے مذہب پر جان قربان کردیں گے
جس کے معنے یہ معلوم ہوتے ہیں کہ یہ ایک مشورہ ہے جو مسلمانوں کو دیا گیا ہے۔ کہ اگر
ترکی کی قسمت کا فیصلہ ہماری خواہشات کے مطابق نہ ہوا تو خواہ کوئی بھی سامنے کیوں
نہ ہو ہم لڑ مریں گے۔ اگر واقعی یہی معنی ہیں جو میں سمجھتا ہوں اور یہی مشورہ ہے جو دیا گیا ہے
تو میں اس عزت کو جوان دونوں بھائیوں کی قوم میں ہے مدنظر رکھتے ہوئے نہایت
ادب سے اس رائے سے اختلاف کرونگا اور مسئلہ خلافت کی بابت جس سے یہ سوال
پیدا ہوا ہے اپنے شکوک عرض کرونگا۔

پیغمبر اسلام کی شاہانہ حیثیت کی ابتدا ہجرت سے پہلے کفار مکہ رسول کریم صلعم کو
بہت تنگ کرتے اور مسلمانوں کو طرح طرح کی تکالیف دیتے تھے حتی کہ کچھ مسلمان اپنا وطن
چھوڑ کر عیسائی بادشاہ ملک حبش کے ملک میں چلے گئے تھے اہل یثرب یعنی مدینہ کی ایک
جماعت کو جو مشرف باسلام ہوچکی تھی اپنے بھائیوں اور رسول خدا کی تکلیف ناگوار گذرتی
تھی، اس لئے انہوں نے ان کو اپنے شہر میں بلانیکا ارادہ کرلیا۔ چنانچہ ان کی ۷۵ کس
کی جماعت اس ارادہ کو پورا کرنے کی خاطر اس قافلہ کے ساتھ ہولی جو یثرب سے مکہ کو آتا
تھا۔ رات کو خاموشی میں جبکہ مخالفانہ عناصر ہوتے معلوم ہوتے تھے۔ یہ دین جدید کے
ہراول اس پہاڑی کے نیچے جمع ہوئے جہاں ان کے ہموطن اس سے پہلے رسول
صلعم سے ملاقی ہوکر مشرف بہ اسلام ہوچکے تھے، رسول اکرم بھی وہاں تشریف لائے
اور ان کے چچا حضرت عباسؓ نے اہل یثرب کو بتایا کہ ان کو اپنے اسلام کی وجہ سے

کس کس مشکل کا سامنا ہوگا اور نبی صلعم کو شہر میں بلانے سے کن کن خطرات میں وہ پڑینگے مگر وہ سب یک زبان ہو کر بولے کہ انہوں نے باوجود ان خطرات سے واقف ہونے کے اسلام قبول کیا ہے اور رسول صلعم سے کہا کہ آپ جو وعدہ اپنے لئے اور اپنے خدا کے لئے ہم سے لینا چاہتے ہیں لے لیں پیغمبر اسلام نے قران مجید کی چند آیات پڑہیں۔ اور پہر ان سے بیعت لی جس سے انہوں نے اقرار کیا کہ وہ خدا کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرینگے اور حضرت محمد صلعم کی ان تمام امور میں جو جائز ہوں تابعداری کرینگے جس طرح وہ اپنی عورتوں اور بچوں کی کرتے ہیں،

(امیر علی لائف آف محمدؐ)

اسلامی جمہوریت کا آغاز یہ واقعہ ہے جس سے رسول کریم کی شاہانہ یعنی دنیوی حاکم کی حیثیت کی ابتدا ہوتی ہے اور اس میں سب سے زیادہ قابل ذکر بات بیعت ہے، یہ بیعت یثربیوں کے مسلمان ہونے کے لئے نہیں لی گئی۔ کیونکہ وہ پہلے ہی مسلمان تھے اور ان میں بعض ایسے بہی تھے جو اس سے پہلے سال خود رسولؐ کے سامنے اسلام کا اقرار کر چکے تھے لیکن اگر اس فعل کو اس ارادہ کی روشنی میں دیکہیں جس سے یہ لوگ مکہ آئے تھے یعنی رسولؐ کو یثرب بلانے کے لئے اور ساتھ ہی اس بات کا بہی خیال کریں کہ اس کے بعد جب رسولؐ یثرب پہنچے تو وہاں انہوں نے رسولؐ ہی نہیں بلکہ حاکم کی حیثیت میں بہی فوراً زندگی شروع کر دی۔ تو نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ یہ ملاقات جیسا کہ گبن کہتا ہے، ایک پولیٹیکل کانفرنس تہی، اور اس میں رسولؐ کو حاکم دینی ہونے کے علاوہ خوشی اور رضامندی سے دنیوی حاکم بہی تسلیم کر لیا گیا۔ اور بیعت گویا قبول طاعت کی قسم تہی جو خوشی سے کہا لی گئی اور اس طرح سنت نبوی سے اسلامی جمہوریت کی بنیاد پڑی۔ گو رسولؐ کی فرمانبرداری تو ہر حال میں ویسے بہی مسلمانوں پر فرض تہی مگر یہ نیا عہدنامہ آنے والے اسلامی فرمانرواؤں کے لیے ایک سبق تھا جس میں یہ سمجہایا گیا کہ حکومت کی بنیاد مسلمانوں کی مرضی پر ہونی چاہئے نہ کہ تلوار کے خوف پر۔ اور یہ انتخاب کا اصول تھا جس پر اولین

فرمانروایان اسلام حقیقت میں اور بعد کی ایک مدت تک بدلے نام چلائے گئے ،

خلافت بنی اُمیّہ میں ۔ نبیؐ کی وفات پر ابوبکر صدیقؓ جمہور کی مرضی کے مطابق
مسلمانوں کے حاکم مقرر ہوئے ۔ ان کے نام پر بیعت لی گئی اور انہیں خلیفہ کا لقب ملا
مگر یہ یاد رکھنا چاہیے کہ نبوت میں تو خلافت ہو نہیں سکتی کیونکہ ایسے خلیفہ کے لئے ضرور ہے
کہ وہ خود بھی نبی ہو ۔ اس لئے ابوبکر صدیق صرف رسولؐ کی شاہی حیثیت میں ان کے
خلیفہ تھے اور اسی خیال سے کہ خلیفہ کے نام سے خلافت فی النبوۃ ہونے کا بھی گمان
ہو سکتا ہے حضرت عمرؓ نے اس نام کو ترک کر دیا اور اس عہدہ کے پر کرنے کا نام امیر المومنین
رکھا یہی نام حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زمانہ کے کچھ زمانہ بعد تک قائم رہا مگر جب حکومت
بنی امیہ کے ہاتھ آگئی اور انہیں اپنا ظاہری تقدس بڑھانے کی ضرورت محسوس ہوئی
تو انہوں نے پھر خلیفہ کا نام اختیار کر لیا ۔ حالانکہ انہوں نے فرقہ بندی کے ذریعہ سے
حکومت اپنے خاندان تک محدود کر کے آزاد انتخاب کے اصول کو بہت تنگ کر دیا
تھا ۔ اسلام کے آغاز میں گو کوئی خاص اور مقررہ انتظام انتخاب کا نہ ہو مگر بیعت کے
ذریعہ سے جمہور کی منظوری حاصل ہو جاتی تھی اور جو لوگ بیعت سے انکار کرتے تھے
گو وہ حکومت کے مجرم ہوں اور حکومت پر ان کی حفاظت اور نگہداشت کی کوئی
ذمہ داری نہ ہو مگر وہ اخلاقاً کبھی بھی گنہگار نہیں سمجھے گئے ، چنانچہ امام حسین علیہ السلام
نے یزید کی اطاعت قبول کرنے سے انکار کیا ۔ باوجودیکہ سوائے چند اشخاص کے باقی
تمام مسلمان اس کی حکومت کے حامی معلوم ہوتے تھے ۔ تو اس انکار کی وجہ سے
وہ اخلاقاً گنہگار کبھی بھی خیال نہیں کئے گئے ۔ اس قسم کے گنہگار وہی ہو سکتے ہیں
جو اطاعت قبول کرنے کے بعد حکومت کے جائز احکام کی خلاف ورزی کریں ،

ایک ہی وقت میں تین خلافتیں ۔ بنی امیہ کے آخری زمانہ میں ہاشم خاندان
[illegible] کے شیعوں کو جو ہاشم کے نام پر جو عباس [illegible] کی اولاد سے تھا [illegible]

دیکھتے ہیں۔ اور دنیوی حاکم بنانے میں اس رسم کی اہمیت پھر تازہ ہو جاتی ہے اور جس حاکم کی اطاعت قبول نہ کی گئی ہو اس کی متابعت نہ کرنے میں گنہگار نہ ہونے کا مسئلہ زیادہ صاف ہو جاتا ہے، کیونکہ جب عباسیوں نے بنی امیہ کی حکومت کو الٹ دیا۔ تو آخرالذکر خاندان کا ایک شخص عبدالرحمن نامی بھاگ کر سپانیہ پہنچ گیا اور وہاں اپنی ہمت اور بہادری کی وجہ سے خود مختار حاکم بن گیا اور اس کے جانشینوں نے خلیفہ کا لقب اختیار کر لیا۔ افریقہ میں فاطمیوں نے عبدالرحمن کی نقل کی اور اپنی علیحدہ خلافت قائم کر لی اسی طرح دسویں صدی عیسوی میں اسلامی دنیا میں تین خلافتیں تھیں چونکہ ان میں سے ہر ایک خلافت کے مسلمان صرف اپنے علاقہ کے خلیفہ کی ہی رعایا تھے تو کیا دوسرے خلیفوں کی اطاعت نہ قبول کرنے کی وجہ سے یا ان کی متابعت نہ کرنے کے باعث وہ سب کے سب گنہگار سمجھے جانے چاہئیں،

خلفاء حاکم نہیں محکوم ہوتے تھے عباسی خلفا کی طاقت میں آہستہ آہستہ زوال آ گیا اور تاتاری النسل بادشاہ جو مسلمان ہو چکے تھے اسلامی علاقوں کے حکمراں بن گئے گو وہ عباسی خلافت کی یادگاروں کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے مگر وہ حقیقت میں خود مختار فرمانروا تھے۔ سلطان محمود غزنوی نے گو خلیفہ بغداد سے سراج الملۃ والدین کا خطاب حاصل کیا مگر اسے خلیفہ کا مطیع کسی حالت میں بھی نہیں کہہ سکتے۔ اسی طرح سلجوقی اور زنگی سلاطین بھی گو عباسی خلافت کے جانشینوں کی عزت کرتے تھے مگر یہ عزت اسی طرح کی تھی جیسے ہندوستان کے بادشاہ ولیوں اور خدا رسیدہ لوگوں کی کرتے تھے ورنہ اصلیت یہ ہے کہ یہ خلفا حقیقت میں حاکم ہونے کی بجائے ان سلاطین کے مطیع ہوتے تھے۔

خلافت مصر کو منتقل ہوتی ہے گیارہویں صدی میں اس وقت کے عباسی خلیفہ کی مرضی کے مطابق ملک شاہ کو امیرالمومنین کا لقب ملا۔ اگر خلیفہ کے معنی

بھی صرف امیر المومنین ہوں جیسا کہ حضرت عمرؓ کی مثال سے ظاہر ہے تو جب یہ امارت
دوسرے شخص کو مل گئی تو خلافت کس بات کی رہی لیکن باوجود اس امر کے عباس
کی اولاد اپنے تئیں خلیفہ کہنے لگی حتے کہ ہلاکو خاں نے بغداد کو فتح کر کے خلیفہ مستعصم
کے قتل کا حکم دیدیا۔ اس واقعہ کے بعد عباسی خلافت کا مقام مصر کو منتقل ہو گیا جسے
مشہور سلطان صلاح الدین کے چچا نور الدین نے فتح کر کے خلافت فاطمیہ کا خاتمہ
کر دیا تھا چونکہ مملوکی سلطان ایک طرح سے خلافت عباسیہ کے پروردگان میں سے
تھے اور اس کی عزت کرتے تھے۔ اس لئے اس خلافت کے نام لیوا ان سلاطین کے
زیر سایہ رہنے لگے اور گو وہ خلیفہ کا لقب اختیار کرتے تھے مگر دنیوی حکومت
جس میں وہ رسول کی خلافت کر سکیں اس کا ایک حصہ بھی ان کے پاس نہ تھا۔ نہ
ان کے پاس جمہور کی رائے تھی نہ بیعت کی سند نہ امارت ہی ان کے پاس تھی
نہ مومنین ان کے تابع نہ تلوار کا دبدبہ تھا نہ ذاتی کشش۔

سلطان سلیم کو خلافت کس حالت میں ملی۔ غرضیکہ یہی خلافت جو
عثمانی سلطان سلیم کو جب اس نے مملوکیوں سے مصر فتح کیا۔ آخری عباسی خلیفہ
سے ملی لیکن چونکہ مملوکیوں کی شکست سے سیریا بھی فتح ہو گیا اور مقامات مقدسہ
بھی سلطان سلیم کی حفاظت میں آ گئے اس وجہ سے اس کی عزت مسلمانان دنیا کی
نظروں میں بہت بڑھ گئی۔ نہ یہ کہ تمام دنیا کے مسلمانوں کی حکومت اسکو خلیفہ کا
لقب اختیار کرنے سے مل گئی۔ کیونکہ جس شخص سے اس نے خلافت حاصل کی اس کے
پاس دنیاوی حکومت اور طاقت جو بادشاہ یا خلیفہ کے لئے ضروری ہے بالکل
نہ تھی۔ مگر سلطان سلیم خود ایک زبردست فرمانروا تھا اور بہت سے مسلمان اس کے
تابع تھے اس لئے ان مسلمانوں کے لئے جو اس کے مطیع تھے وہ امیر المومنین
بھی ہو سکتا تھا اور رسول کی حاکمانہ حیثیت کا خلیفہ بھی مگر جو مسلمان اس کی سلطنت

میں شامل نہ تھے ان کا نہ تو وہ امیر تھا۔ اور نہ خلیفہ۔ اور نہ کبھی انہوں نے عملاً یہ ظاہر کیا کہ وہ اسے یا اس کے جانشینوں کو خلیفہ مانتے ہوں۔

ہمارا کوئی خلیفہ یا امیر المومنین نہیں ہے۔ کیا اکبر، جہانگیر، شاہجہان اپنے تئیں خلافت عثمانیہ کے ماتحت سمجھتے تھے؟ اگر نہیں سمجھتے تھے تو ہند کے مسلمان جو ان کی رعایا تھے کس طرح عثمانی خلیفہ کی بھی رعایا ہو سکتے تھے، جو حالت اس وقت تھی اب بھی ہے فرق صرف اتنا ہے کہ اوس وقت مغل بادشاہ تھے اور آج انگریز ہیں وہ مسلمان تھے یہ عیسائی ہیں، وہ خود خلیفہ یا امیر المومنین کہلائے جا سکتے تھے اور یہ ان ناموں کو اختیار نہیں کر سکتے مگر ہم مسلمانان ہند ان کی رعایا ہیں جس طرح ہمارے بزرگ مغلوں کی رعایا تھے اور جب تک ہم ان کی رعایا ہیں اس وقت تک عثمانی سلطان یا اور کوئی بیرونی مسلمان بادشاہ ہمارے لئے نہ تو خلیفہ ہو سکتا ہے، اور نہ امیر المومنین۔ گو بوجوہ دیگر اس سے ہمیں کتنی ہی محبت اور ہمدردی کیوں نہ ہو ممکن ہے کہ میرا یہ خیال غلط ہو مگر سر سید علیہ الرحمتہ کا بھی یہی خیال تھا اور میں مشکور ہوں گا۔ اگر کوئی اہل الرائے اس مسئلہ پر زیادہ روشنی ڈالیں گے۔

ایڈیٹر وکیل کا جواب

کیا خلافت صرف دینی امور کیلئے تھی

یہ مضمون چودھری صاحب کی اسلامی تاریخ سے بالکل سطحی واقفیت کا نتیجہ ہے اور چونکہ خطرہ ہے کہ ان کے خیالات جو محض ایک ناواقف شخص کے خیالات ہیں متعدی صورت اختیار کر لیں اور ان کو کسی وقت بطور سند پیش کیا جائے اس لئے ہم نہایت مختصر الفاظ میں ان پر نظر انتقاد ڈالتے ہیں۔

چودھری صاحب نے اپنے مضمون کے پہلے حصہ میں یہ دکھانے کی کوشش

کی ہے کہ ابتدا میں خلافت دنیوی امور کے لئے مخصوص تھی، اور ابو بکر صدیقؓ صرف رسولؐ کی شاہی حیثیت میں ان کے خلیفہ تھے، اور کہ حضرت عمرؓ نے اسی خیال سے خلیفہ کا لقب ترک کر کے امیر المومنین کا لقب اختیار کیا تھا

چودہری صاحب کا یہ خیال بالکل غلط اور بے بنیاد ہے حضرت ابو بکر صدیقؓ دنیوی اور مذہبی ہر دو امور میں رسول اللہ صلعم کے جانشین تھے اور حضرت عمرؓ نے صرف اپنی حیثیت کی مزید وضاحت کے لئے امیر المومنین کا لقب اختیار کیا تھا، مولوی چراغ علی مرحوم اپنی کتاب "ریفارمس انڈر مسلم رول" میں تحریر فرماتے ہیں خلفا کو آئین بنانے میں مطلق اور قطعی اختیار حاصل تھا اور وہ خود اپنے اقتدار اور سند پر اسلام کے تمام غیر مکتوب و غیر مدون آئین کو جن میں اسوقت تک تصرع اور اتساع تام کو نہ تھا۔ ترمیم کرتے تھے،

علامہ شبلی نعمانی "الفاروق" میں فرماتے ہیں کہ فقہ کے جس قدر مسائل حضرت عمرؓ سے بروایات صحیحہ منقول ہیں ان کی تعداد کئی ہزار تک پہنچتی ہے ان میں سے تقریباً ہر مسئلے ایسے ہیں جو فقہ کے مقدم اور اہم مسائل ہیں اور ان تمام مسائل میں ائمہ اربعہ نے ان کی تقلید کی ہے،

حضرت شاہ ولی اللہ کی بھی قطعاً یہی رائے ہے، لیکن شاید کسی یورپین مورخ کی رائے چودہری صاحب کے نزدیک زیادہ مستند اور وزنی ہو، اس لئے وہ سنیں کہ سلطنت روما کا مشہور مورخ گبن کیا کہتا ہے، "تاریخ زوال سلطنت روما" میں وہ لکھتا ہے کہ خلیفہ احکام شریعت کا امام اور مسلمانوں کا نفس ناطقہ سمجھا جاتا تھا ایک اور جگہ اس نے اپنے مطلب کو اور واضح کیا ہے " سلطنت و مذہب دونوں کی سرداری ان جانشینان رسول میں جمع تھی اور اگرچہ احکام قرآن انکے لئے واجب العمل تھے تاہم ان احکام کے معنی بیان کرنے والی اور انہیں جہاد کرنیوالی خود انہی کی ذات تھی "

ان اسناد کی موجودگی میں یہ کہنا کہ خلافت صرف دنیوی امور کے لئے ہوتی تھی
تاریخ اسلام کو جھٹلانا ہے اور ہماری انتہائی جہالت پر دلالت کرتا ہے حقیقت یہ ہے
کہ ہمارے دل و دماغ میں وہ نور ہی نہیں رہا کہ جس سے ہم ان حقایق کا احساس
کر سکیں، سید امیر علی نے "رائز اینڈ فال آف دی سیرسینک پاور" میں بالکل سچ کہا ہے
کہ خلفاء راشدین خلیفہ کے باقاعدہ حیثیت رکھتے تھے ایک قسم کی مذہبی شان پائی جاتی تھی اور
ان کی ذات میں ایک قسم کا تقدس پیدا ہو جاتا تھا جس کا ہم اس زمانہ میں اور موجودہ حالات
کے لحاظ سے بہت کم اندازہ کر سکتے ہیں، بہرحال ان سطور سے ایک معمولی فہم و ادراک کے آدمی
پر بھی روشن ہو جائیگا کہ اسلامی خلافت دین و دنیا دونوں کو شامل تھی اور یہ خیال کہ
اس کو مذہبی امور سے کچھ تعلق نہ تھا ان لوگوں کے تخیل کا نتیجہ ہے کہ جو یا تو خلافت کے مفہوم
کو نہیں سمجھ سکتے یا محض پولیٹیکل اغراض سے اس کی اہمیت کو نظر انداز کرنا چاہتے
ہیں بحالت موجودہ اس قسم کی سنگین غلط بیانیاں صرف اس غرض سے پھیلائی جا رہی
ہیں کہ مسلمان ہمارے لائق مضمون نگار کی طرح خلافت کو بازیچۂ اطفال سمجھنے لگیں
اور خلافت عثمانیہ کا اثر و اقتدار مسلمانوں کی نظروں میں کم ہو جائے لیکن جبتک
تاریخ اسلام کا وجود اور اس کے ساتھ انصاف اور بے تعصبی دنیا میں باقی ہے۔
صداقت کا مٹنا محال ہے، چاہے یہ لوگ کتنی ہی کوشش کیوں نہ کریں اور خدائی
روشنی کو گل کرنے کے لئے کتنی ہی پھونکیں کیوں نہ ماریں،

کیا خلفا سلاطین کے مطیع ہوتے تھے

۲۰ جنوری کی اشاعت میں چودھری عبدالغنی ایم اے، کے اس دعوی کی پردہ دری کی گئی تھی کہ ابتدا میں خلافت
صرف دنیوی امور کے لئے تھی اور اسے مذہبی امور سے کچھ بھی سروکار نہ تھا ہم نے مستند
تاریخی حوالوں سے دکھایا تھا کہ خلافت اسلامی دینی و دنیوی ہر دو امور کو شامل تھی اور کہ
چودھری صاحب کا دعوی بالکل غلط اور بے بنیاد ہے اپنے مضمون میں چودھری صاحب

نے ایک اور دعوےٰ کیا ہے جو لغویت میں ان کے پہلے دعویٰ سے کسی طرح بھی کم نہیں ہے
وہ فرماتے ہیں کہ اسلامی علاقوں کے تاتاری نسل حکمران عباسی خلافت کی یادگاروں
کی عزت تو کرتے تھے مگر وہ حقیقت میں خود مختار فرمانروا تھے سلطان محمود خلیفہ کا
کبھی مطیع نہیں ہوا۔ اسی طرح سلجوقی اور ترکی سلاطین بھی گو عباسی خلافت کے جانشینوں
کی عزت کرتے تھے مگر یہ عزت اسی طرح کی تھی جیسے ہندوستان کے بعض بادشاہ
ولیوں اور خدا رسیدہ لوگوں کی کرتے تھے، ورنہ اصلیت یہ ہے کہ یہ خلفا حقیقت میں حاکم
ہونے کے بجائے ان سلاطین کے مطیع ہوتے تھے، ایک اور جگہ ان کا ارشاد ہے
کہ "اکبر، جہانگیر یا شاہجہاں اپنے تئیں خلافت عثمانیہ کے ماتحت سمجھتے تھے" جس سے
ان کا مطلب ہے کہ نہیں سمجھتے تھے۔ ذیل کی سطور میں ہم دکھائیں گے کہ چودھری
صاحب اس بارہ میں کس قدر تاریکی میں ہیں،

عباسیوں کے عہد حکومت میں بغداد کے علاوہ بہت سے دوسرے ملکوں
میں اسلامی پرچم لہراتا تھا اور مسلمان بڑی بڑی سلطنتوں کے مالک تھے مگر مذہبی حکومت
کا علم یقینی طور پر خلیفہ بغداد کے ہاتھ میں تھا۔ مسلمان ملکی حیثیت سے دوسری حکومتوں
کے ماتحت ہوتے تھے، لیکن مذہبی حیثیت سے وہ خلیفہ کی حکومت سے نہیں نکل سکتے
تھے، عام مسلمانوں کی عقیدت شعاری کو جانے دو۔ خود سلاطین عظام بھی آستانہ خلافت
پر ناصیہ سائی کرنا اپنا فرض جانتے اور اس پر فخر کرتے تھے،

ذرا دیکھنا مشرق کا فاتح عظیم طغرل بیگ کس پیرایہ میں حضور خلافت میں حاضر
ہوتا ہے نامور مورخ گبن انگشت بدنداں ہو کر اس کا مرقع یوں پیش کرتا ہے،
ترکی سلطان (طغرل بیگ) دجلہ میں کشتی پر سوار ہو کر باب رقہ پر اترا اور گھوڑے
پر سوار ہو کر شہر میں داخل ہوا۔ محل کے دروازہ پر وہ ادب کے خیال سے اتر پڑا۔ اور
پا پیادہ روانہ ہوا پیچھے پیچھے تمام امرا غیر مسلح ادب کے ساتھ آ رہے تھے، خلیفہ اسوقت اپنے

خاندانی وضع کے سیاہ پردہ کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا، عباسیوں کی سیاہ ردا اس کے کندہوں پر پڑی تھی اور ہاتھ میں رسول اللہ (صلعم) کا عصا تھا، مشرق کے اولوالعزم فاتح نے نہایت ادب سے زمین کو بوسہ دیا اور تھوڑی دیر تک سامنے کھڑا رہا، پھر وزیر اعظم ترجمان نے اسے تخت پر بیٹھا کر بٹھایا۔ خلیفۃ الرسول کی یہ شان تھی جس کے آگے قیصر و کسرےٰ کی بھی کچھ حقیقت نہ تھی اور جس کے آگے تاجداروں کے سر تفاخر بھی فرط عقیدت سے جھک جاتے تھے اسوقت بھی جبکہ خلافت بظاہر معمولی حالت میں تھی محمود غزنوی و طغرل بیگ جیسے جلیل القدر بادشاہ خلیفہ کے ہمرکاب دوڑنا فخر اور اپنی بادشاہی کے جواز کے لئے اجازت حکمرانی طلب کرنا ضروری سمجھتے تھے اور خلیفہ کے عطا کردہ علم، شمشیر اور خلعت کو سند حکومت خیال کرتے تھے، سفرنامہ ترکی امیر البحر سیدی علی رئیس ۹۵۳ھ میں لکھا ہے کہ ہمایوں نے مکرر سہ کرر سلطان (سلیم اعظم) کو اپنا مذہبی پیشوا اور خلیفہ تسلیم کیا ہے وسط ایشیا کے متعلق ہیں یہ کہونگا کہ میں نے خود ایک شاہی فرمان دیکھا ہے جو خیوا اور سمرقند کی مساجد جامع پہ چسپان تھا اور جو سرکاری دیوانی حروف میں مرقوم تھا اس میں "رخصت نماز" تحریر تھی یعنی اس بات کی اجازت کہ وہاں کے حاکم جمعہ کی نماز پڑھایا کریں۔ یہ اجازت فرمانروایان وسط ایشیا کو خلیفہ قسطنطنیہ کی طرف سے ملی تھی جس نے علاوہ اس کے انہیں درباری خطابات بھی عطا کئے تھے، تمام عالم اسلامی میں کم و بیش یہی کیفیت تھی اور یہ اس عظمت و صولت کی وجہ سے تھی جو خلیفہ کو اسوقت حاصل تھی پرائسٹ ہولی رومن امپائر میں لکھتا ہے کہ اس (خلیفہ) کا فرض تھا کہ خلائق عالم کی حالت صبر سے دیکھکر گویا وہ خود ایک اونچی پہاڑی پر کھڑا ہے اونچے چھوٹے امیروں رئیسوں اور بادشاہوں میں جھگڑے اور تنازع ہوتے ہیں ایک ایسی نیکی کی روح تمام عالم میں پھونکے جس کے بغیر نہ علوم نہ فنون اور نہ انسانی زندگی کے اعلےٰ اوصاف ترقی کر سکتے ہیں، ان سطور کے بعد ذرا چودہری صاحب کے اس فقرہ کو پھر پڑھو کہ "خلفا حقیقت میں حاکم ہونے کے بجائے ان سلاطین کے دست نگر رہتے تھے"۔

بزم میلاد میں پڑھنے کی سب سے اچھی نظم

نظم المعراج

یعنی معراج الشعراء جناب میرزا عاشق حسین صاحب بزم اکبرآبادی کی وہ مشہور نظم معراج جو حلقۃ المشائخ کے سالانہ مشاعرہ میں پڑھی گئی۔ اور حاضرین کو اسقدر پسند آئی کہ اجماع عام نے جناب بزم کو معراج الشعراء کا خطاب دیا۔

یہی وہ نظم ہے جسمیں بیان معراج اس شان سے ہوا ہو کہ جس مجلس میں پڑھا جائے۔ تمام حاضرین نقش حیرت بن جاتے ہیں۔ اگر تحت اللفظ پڑھنا ہو تب بھی انیس و دبیر کے مرثیوں کا لطف آتا ہے۔

اور اگر خوش لحنی سے ادا کیا جائے تو بھی معراج کی صحیح تصویر آنکھوں کے سامنے پھر جاتی ہے۔ میلاد خوانی کی جان ہے۔ ہر مسلمان کی ترقی ایمان کے واسطے ضروری چیز ہے۔ جو لوگ مستورات، اور مشہور مجالس میں مولود پڑھتے ہیں۔ اُن کو یہ کتاب اپنے پاس ضرور رکھنی چاہیئے۔

نہایت عمدہ کاغذ، نفیس چھپائی۔ خوش قلم لکھا ہوا۔ قیمت صرف آٹھ آنے۔ علاوہ محصولڈاک

منیجر اخبار خطیب دہلی

سے منگایئے

سیدی و مولائی حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب کا مشہور سفرنامہ جس میں قاہرہ مصر، اسکندریہ
یافہ، بیت المقدس، بیروت، دمشق، اور مدینہ منورہ وغیرہ کے دلچسپ و موثر حالات لکھے ہیں
اور فوٹو کی تصویریں بھی دی گئی ہیں۔ جو تمام ہندوستان میں عام طور سے پسند کیا گیا ہے
اور پہلا ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ بک گیا تھا۔ اب دوبارہ چھپ کر تیار ہوا ہے۔ پہلے ایڈیشن
میں باتصویر سفرنامہ کی قیمت تین روپے تھی۔ اور بلا تصویر کی ایک روپیہ آٹھ آنے ۔ یہ

دوسرا ایڈیشن

باریک خط میں چھپا ہے

اس واسطے ضخامت کم ہو گئی ہے اور باتصویر کی قیمت تین روپیہ کی بجائے ڈھائی روپیہ
رکھی گئی ہے۔ لیکن کم استطاعت شائقین کی خاطر سے اس قیمت میں آٹھ آنے اور کم کیے
جاتے ہیں۔ آئندہ یہ سفرنامہ باتصویر صرف دو روپیہ میں دیا جائے گا۔ بلا تصویر شائع نہیں ہوا
جن حضرات کو اس رعایت سے فائدہ اٹھانا ہو اس پتہ پر خط لکھیں۔

کارکن حلقہ المشائخ دہلی